رجسٹرڈ نمبر ۱۰۱۷   جنوری سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس المصنفین کا علمی
مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڑھ

دارالمصنفین کی تاریخی کتابین

تاریخ صقلیہ جلد اول مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہو کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہو، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہو، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہو، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب و جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہو، ضخامت مجموعی ۵۰۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت؛ للعہ ر جلد دوم زیر طبع ہی، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہو جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہی، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ ر مترجمہ مولٰنا عبدالسلام ندوی،

رقعات عالمگیر اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۲۷۰ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت:- للعہ ر مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہو جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۷۰۴ صفحے، قیمت: للعہ مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر،

مولٰنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہی، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہی، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلّا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ ر

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصۂ اول، یہ چاروں خلفا کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۳۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولٰنا حاجی معین الدین ندوی،

(دارالمصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست، دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دارالمصنفین اعظم گڈھ

جلد ۳۷ | ماہ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۶ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

بحمداللہ کہ معارف کے نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہم یہ خوشخبری ناظرین معارف تک پہنچانے کے قابل ہو سکے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے مدیر معارف حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ بطول بقائہٗ کو شفائے کامل عطا فرمائی، تاہم ابھی ضعف و ناتوانی زیادہ ہے، اس لئے طبی مشورہ کے مطابق دو چار مہینے علمی مشاغل سے وابستہ نہ ہو سکیں گے،

حضرۃ الاستاذ کے زمانۂ علالت میں ملک میں بعض اہم ملی و علمی اجتماعات منعقد ہوئے، جن میں سے بعض اجلاس میں موصوف کو شرکت کا خیال تھا، خصوصاً مولانا **حالی** مرحوم کی صد سالہ برسی کی تقریب میں شرکت کے ہونے کا ابتدائی سامان سفر درست فرما چکے تھے کہ علالت کی ابتدا ہوئی، اور معذرت کی تحریر بھیجنی پڑی، تاہم اس تقریب میں عملی شرکت مسدس حالی کے صدی اڈیشن پر مقدمہ نگاری سے ہو گئی ہے،

مسدس حالی، ہماری زبان کی ان کتابوں میں ہے جنھیں پچھلے پچاس ساٹھ برس میں قبول عام و حیات دوام نصیب ہوئی، اور اسے حالی مرحوم کی زندگی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے، کارکنان حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی مستحق ستائش ہیں کہ انہیں موصوف کی اس صد سالہ تقریب کے موقع پر اس مسدس کے صدی اڈیشن کے نکالنے کا خیال پیدا ہوا جس میں ملک کے مشاہیر اہل علم نے اپنے اپنے رنگ میں مولنا حالی اور انکی مسدس پر تقریب اور مقدمے لکھے، "تقریب" کے عنوان سے مولوی

عبدالحق صاحب، سر سید راس مسعود، نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی، اور مولنا عبدالماجد دریابادی کے مضامین ہیں، "اور مقدمہ" کے ذیل میں حضرۃ الاستاذ مولنا سید سلیمان ندوی نے "مسدس کی حیات جاوید" اور جناب خواجہ غلام السیدین نے "مسدس کی مصلحانہ شان" دکھائی ہے، یہ اڈیشن نفیس کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی اور طلاکار جلد کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، دو روپیہ میں حالی پبلشنگ ہاؤس، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳، دہلی کے پتہ سے مل سکتا ہے،

انہی دنوں مسلمانوں کی قدیم خدمتگذار انجمن **ایجوکیشنل کانفرنس** علی گڈہ کا اجلاس مراد آباد میں منعقد ہوا، اور اس سال اس کی زندگی کی یہ علامت نظر آئی کہ صوبہ متحدہ کے وزیر تعلیم نے عین اجلاس میں اس کی بعض پچھلی تجویزوں پر حکومت کے توجہ فرمانے کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے ایک تحریری یادداشت ارسال کی، اور کانفرنس نے ایک مرتبہ پھر حکومت کو توجہ دلائی کہ یہ اجلاس اس کی ارسال کردہ یادداشت سے مطمئن نہ ہو سکا، شاید اسی تدریجی ترقی سے گوہر مراد ہاتھ آجائے،

اس سال آل انڈیا **اورینٹل کانفرنس** کا اجلاس آخر ماہ دسمبر میں میسور میں منعقد ہوا، یہ ہندوستان میں شرقیات کی نمایندہ جماعت ہے اور حسن اتفاق سے اس اجلاس میں امریکہ، جرمنی، پولینڈ اور فرانس کے بعض وارد ہند مستشرقین نے بھی شرکت کی، لیکن نہ معلوم کن اسباب سے اس سال اس کانفرنس کے کارکنوں کی اصل توجہ شرقی زبانوں میں سے صرف آریائی زبان سنسکرت کی طرف مبذول رہی، اور کانفرنس کی افتتاحی تقریب اور صدارتی خطبوں میں صرف اسی کا ذکر خیر رہا، ڈاکٹر مشاف پرو وایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے استقبالیہ خطبہ میں میسور کی شرقیات نوازی کا ذکر کرتے ہوئے ایک سو سنسکرت اور ملکی مخطوطات کے شائع کئے جانے اور سولہ[16] ہزار کتبے دریافت کئے جانے کا تذکرہ کیا، پھر وایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے جو مہاراجہ میسور کے بجائے ہیں، کانفرنس کا افتتاح کیا، اور اپنے خطبہ میں جنوبی ہند کی ایک مکمل تاریخ کے لکھنے کی ضرورت دکھائی ہے اس کے بعد صدر منتخب ڈاکٹر کرشنا سوامی آینگر نے خطبۂ صدارت پڑھا، جس میں "شرقیات" سے مراد "ہندیات" اور "ہندیات" کا مفہوم "ہندویات" لیا گیا، ان کا پورا خطبہ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، یہانتک کہ کانفرنس

کی طرف سے قلمی کتابون کی نمایش کا جو اہتمام تھا، اور جس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے کتابیں منگائی گ[ئی]
ہیں، لیکن پوری نمایش میں عربی، فارسی اور ہندوستانی کی ایک کتاب بھی موجود نہ تھی، اس وقت ک[ہ]
شرقیات میں سنسکرت وعربی، برج بھاشا و فارسی اور ہندی و ہندوستانی زبانون کے نام پہلو بہ پہ[لو]
لئے جاتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کی دونوں قوموں کی موجودہ افسوسناک سیاسی تفریق و معا[شرتی]
بیگانگی ان زبانوں کے خادمون کے لئے بھی کسی ایک اجلاس میں مجتمع ہونا ناممکن بنادے،

عیسائی مبلغین کی مساعی سے انجیل کے لاکھون نسخے ہندوستان کی اکثر زبانون میں شائع ہو [چکے]
ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے تبلیغی مساعی کی طرف سے مطمئن نہیں اور انجیل کی مزید اشاعت پران کے مذہبی رسا[ئل]
میں زور دیا جارہا ہے، چنانچہ اس ماہ کے معارف میں بھی اس موضوع پر رسالہ مسلم ورلڈ (امریکہ) کے ایک مضمو[ن]
کی تلخیص شریک اشاعت ہے،

دوسری طرف اپنے تبلیغی کامون کا جائزہ لیجئے، تر چناپلی مدراس میں ۱۹۲۷ء میں قرآن مجید کے ایک [ت]
امل ترجمہ کا آغاز کیا گیا تھا، چنانچہ چند ابتدائی پارون کا قابل اطمینان ترجمہ کرلیا گیا، اور پہلا پارہ شائع بھی
ہوگیا، لیکن یہ کس قدر حسرت انگیز واقعہ ہے کہ جب ایک مدراسی نومسلم عبدالرحمن صاحب نے لکھنؤ سے اس کے
بعد کے پارون کے لئے خط لکھا تو اس کے مترجم مولوی عبدالحمید باغوی نے جواب میں لکھا کہ انہین چند سال
کے انتظار کے بعد اس مبارک کام سے دستکش ہوجانا پڑا کہ پہلے پارہ کے ترجمہ کے مطبوعہ نسخون کا بڑا حصہ رکھا
رہ گیا، نہ ایسے مسلمان ملے جو انہین خریدتے اور نہ مدراس جیسے مسلمانون کے متمول صوبہ میں کوئی ایسا صاحب
ثروت کھڑا ہوا، جو صرف اللہ کے لئے اس کے کلام کو چھپوا کر شایع کرسکتا، مدراس کے مسلمان تجار توفیق الٰہی
سے اپنی دولت کار خیر میں صرف کرتے رہتے ہیں، کیا کوئی ایسا صاحب عزم ہوگا، جو اپنے صوبہ کی زبان میں
خدا کے کلام کو پہنچانے کا بیڑا اٹھائے، کہ دیسی عیسائیون کی بڑی تعداد وہان آباد ہے، ان کی انجیل ہمارے
گھرون میں موجود ہے، اگر ہم بھی اپنا قرآن ان تک پہنچا دیں تو اپنے فرض سے سبکدوش ہونگے،

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدن

از سید ریاست علی ندوی،

(۵)

سسلی کے عہد عیسوی میں اسلامی تہذیب و تمدن،

بیان بالا سے اندازہ ہوا ہوگا کہ سسلی کے اس عیسوی دور مین جب تک وہ مسلمانون کے وجود سے خالی
نہیں ہوا، عیسائیون نے اسلامی تہذیب و تمدن کو ہمہ گیری سے قبول کرلیا تھا، اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کے
خاتمہ پر چند اشارات اس جانب بھی کردئے جائین،

سسلی کی اسلامی سلطنت کی تباہی کے اسباب کیا ہین یہ میرے دائرۂ بحث سے خارج ہے، الغرض
جب راجر اول کو سسلی پر تسلط حاصل ہوا، اور ۴۴۴ھ سے ۴۸۴ھ تک میں اس نے صقلیہ کے چپہ چپہ پر مسیحی علم بلند کردیا
تو اس کے بعد اس کی خدمت مسیحیت کا دور شروع ہوا، راجر کو عیسائیون کی طرف سے "محافظ دین مسیحیت" کا و[سیع]
خطاب ملا ہے، وہ واقعی اس کا پورا مستحق تھا، اس نے ان تمام معاہدون کے برخلاف جو فتح صقلیہ کے وقت مختلف
اسلامی شہرون سے کئے تھے، صقلیہ کے مسلمانون کے مذہب اسلام کے استیصال کا حتمی تہیہ کرلیا، اول[اً]
جنوبی اٹلی، نارو ے اور فرانس کی عیسائی قوموں کو صقلیہ میں لاکر آباد کرلیا، اسلام میں داخلہ کا دروازہ قانوناً بند کیا،
مسلمان نظام حکومت سے الگ ہو ہی چکے تھے معیشت کے تمام دروازے بھی ان پر بند ہوگئے، اور اس کے مختلف
شعبون، صنعت حرفت، اور تجارت سے انھیں الگ کرکے ان کی جگہ نوآباد عیسائیوں کو برسر اقتدار لانا شروع کیا،

راجر کو ایک طویل عہد تک فرمانروائی کا موقع ملا، اور وہ اپنے عہد میں اسی طرح صقلیہ کے مسلمانوں کے سیاسی و معاشی وجود کا خاتمہ کرتا رہا، نویری، ابن اثیر اور ابو الفدا بیک زبان لکھتے ہیں کہ

"راجر سارے جزیرہ کا مالک ہو گیا، اور یورپین قوموں کو مسلمانوں کے ساتھ آباد کیا، اور وہاں کے مسلمان باشندوں کیلئے کوئی حمام، کوئی دکان، کوئی پن چکی، اور کوئی تنور (یعنی تجارت، صنعت حرفت اور زمینداری وغیرہ) باقی نہیں چھوڑا[1]"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارمنوں کے دور آغاز کے ساتھ مسلمانوں کے مصائب کی ابتدا کیساتھ سارے جزیرہ میں بھی ابتری پھیل گئی، کیونکہ نارمن نہ خود کسی مدنیت کے حامل تھے، نہ کسی اعلیٰ نظام حکومت کے قائم کرنے کا انھیں تجربہ تھا، اور نہ ملک کی معاشی حالت کو سنبھالنے کی استعداد رکھتے تھے، تاہم راجر اول خدمتِ مسیحیت اور نشۂ فتحمندی کے جوش میں اسی حکمت عملی پر گامزن رہا، اور کچھ نہ کچھ کرے گیا، لیکن اس کے عہد حکومت کے بعد وہ جوش و خروش کچھ سرد پڑا اور کچھ دوسرے حالات ایسے پیدا ہو گئے، کہ اس کے جانشینوں پر اس حکمت عملی کی ناکامی جلد آشکارا ہو گئی، اور نظر آیا، کہ نظام حکومت سنبھالنے والا، اور معیشت کے ذرائع بہم پہنچانے والا، جزیرہ میں بجز مسلمانوں کے کوئی اور موجود نہیں، اور خصوصاً اسلئے کہ اسی اثنا میں نارمن حکومت اور بعض دول یورپ میں جنگ چھڑ گئی[2] اور راجر دوم کو صقلیہ کے معاملات پر توجہ کرنے کا کم موقع ملنے لگا، بالآخر اس نے اپنی حکمت عملی بدلی، اور مسلمانوں کو نظام حکومت میں شرکت کرنے کی دعوت دی، اور خود اسلامی مدنیت اختیار کر لینے پر آمادہ ہو گیا، نویری وغیرہ لکھتے ہیں:-

"اس کے بعد اس کا لڑکا راجر تخت پر بیٹھا، اس نے مسلمان سلاطین کا طریق عمل اختیار کیا، اور اسی پر گامزن ہوا، چنانچہ کوتل گھوڑے، عورتوں کا حجاب، سلاح و اوزار کی زیب و زینت اور باڈی گارڈ (جاندار یہ) وغیرہ کو خود بھی اختیار کیا اور عام عیسائیوں کے عادات و اطوار سے کنارہ کش ہو گیا، کیونکہ ان چیزوں سے وہ لوگ ناآشنائے محض تھے، نیز اس نے دیوان المظالم قائم کیا۔"

[1] نہایۃ الارب درامادی ص ۴۴۴، و ابن اثیر و ابو الفدا [2] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۲ ص ۴۵۳، طبع یازدہم،

اور مسلمانوں کے ساتھ اعزاز و اکرام سے پیش آیا، اور ان کو عہدے دیکر اپنے گرد جمع کیا، اور عیسائیوں کو ان پر دست انداز ہونے سے روک دیا، ان حالات کی بنا پر مسلمان بھی اس سے محبت کرنے لگے"[1]

اسی زمانہ میں "صقلیہ کا عیسوی اسلامی عہد" شروع ہوتا ہے، دونوں قومیں ملک میں مشترکہ زندگی بسر کرتی ہیں، اور ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک رہتی ہیں،

کچھ دنوں تک یہی حالات قائم رہے، اس اثنا میں نارمن حکومت نے ایک طرف اسلامی ملکوں میں فتوحات حاصل کین، دوسری طرف دول یورپ میں بین الاقوامی وقار حاصل کر لیا،

اس کے بعد اور نئے حالات پیش آتے ہین، اور اس کے نتیجہ میں صقلیہ میں بھی ایک نئی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے، یعنی نارمن حکومت اور دول یورپ خصوصاً سلطنت کلیسا کے باہمی تعلقات سے مسیحیت کی خدمت کا تخیل تازہ ہوتا ہے، اور اسلام اور عیسائیت کے مذہبی تعصبات کی دبی ہوئی چنگاریوں کو پوپوں کی مقدس عبا کے دامن کے جھونکوں سے ہوا لگتی ہے، اسلام اور عیسائیت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے، اور اس کا سب سے پہلا مظاہرہ ایک عیسائی پر مسلمان ہو جانے کا شبہہ کرنے اور اس جرم میں پوپوں کے فیصلہ کے مطابق اسے نذر آتش کر دینے میں پیش آتا ہے، اگرچہ بظاہر اس کا تعلق مسلمانوں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا مگر ابن اثیر کی اس واقعہ پر ذیل کی رائے سنئے،

"یہ پہلی مصیبت تھی، جو صقلیہ میں مسلمانوں پر ٹوٹی، اس کے بعد خدا نے راجر کو کم مہلت دی، اور وہ اسی سال ماہ ذی الحجہ کی دسویں تک انتقال کر گیا"[2]

اور اسی زمانہ میں یہ پیش آتا کہ اگر افریقہ کا کوئی اسلامی مفتوح شہر بغاوت کرتا اور وہاں عیسائی آبادی ہوتی تو کہدیا جاتا

"اگر ایک عیسائی بھی مارا گیا، تو صقلیہ کے تمام مسلمانوں کی جائداد و املاک قرق کر لی جائے گی، اور تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا"

اور وہ وقت بھی آپہنچا، کہ صقلیہ کے گلی کوچوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کے متعلق نا ملائم کلمات اکثر سنائی

[1] نہایۃ الارب نویری درامادی ص ۴۴۴، [2] ابن اثیر جلد ۱۱ حوادث ۵۴۳ھ

دینے لگے، اور اس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کے جڑے ہوئے دل بھی ٹوٹ گئے،

لیکن ایک طرف اسلام سے یہ بیزاری ہے، اور دوسری طرف یہ سن کر تعجب کیجئے کہ اسلامی تمدن ساری عیسائی آبادی پر چھا جاتا ہے، اور تمام نوآباد عیسائی اسلامی مدنیت کے پرستار بنتے جاتے ہیں، اور چونکہ اسلامی مدنیت کے حامل یہی مسلمان تھے، اس لئے ہر حیثیت سے اس وقت بھی ان کی پذیرائی ہے، لیکن یہ نظر آتا ہے، کہ اگر دنیاوی جاہ وحشم درکار ہے، تو اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے خواہ اسلام ترک کریں، یا اسلام رکھیں، تو کتمانِ ایمان کریں، ورنہ بدرجہ اقل اسلام یا پیغمبر اسلام کے محاسن پر کبھی کوئی لفظ نہ نکالیں، چنانچہ جب ابن جبیر صقلیہ پہنچا، تو یہی دونوں متضاد گرد و پیش تھے، جن میں مسلمانانِ صقلیہ گھرے ہوئے تھے کہ ایک طرف اسلامی تمدن کی پذیرائی تھی، اور دوسری طرف مذہبِ اسلام اور شہادتِ کلمۂ اسلام سے بیزاری، ابن جبیر نے ان دونوں نقشوں کو جدا جدا دکھایا ہے، پہلے اسلامی تہذیب و تمدن کی خدمت کا مختصر نظارہ کیجئے، لکھتا ہے،

"یہاں کے فرماں روا کے حالات تعجب انگیز ہیں، وہ ایک نیک سیرت فرمان روا ہے، مسلمانوں کو خدمات پر سرفراز کرتا ہے، مسلمان خواجہ سراؤں کو اپنے یہاں نوکر رکھتا ہے، ...... مسلمانوں پر کامل اعتماد رکھتا ہے، اور اپنے تمام حالات واہم مشاغل میں انہی سے تسکین ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی ایک مسلمان ہی ہے، ...... اس کے وزراء وحجاب مسلمان ہیں، مسلمانوں میں سے اکثر اربابِ حکومت اور اس کے ندمائے خاص ہیں، اور درحقیقت اس مملکت کی رونق انہی مسلمانوں سے قائم ہے، یہی لوگ رئیسانہ طور وطریق کے ساتھ عیش وتنعم سے زندگی گذارتے ہیں، اور یہی لوگ قیمتی لباسوں، عمدہ سواریوں، خدم وحشم اور اتباع اور حاشیہ نشینوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں، ...... اس کے محل میں بکثرت کنیز اور غلام ہیں، عیسائی فرماں رواؤں میں اس سے زیادہ عیش پرست اس سے زیادہ طمطراق رکھنے والا، اور اس سے زیادہ مرفہ الحال کوئی دوسرا موجود نہیں، وہ شاہانہ شان وشوکت، ترتیب قوانین، طرز حکومت، عہدہ داروں کے مراتب کی تعیین اور

زیب وزینت وغیرہ کے اظہار میں سلاطین اسلام کے مشابہ ہے، اس کی مملکت بڑی ہے، اور اس کے دربار سے اطبا و ہیئت داں وابستہ ہیں، ...... اس کے وہ تمام خدام اور خواجہ سرا جو محل میں اس کے ساتھ رہتے ہیں مسلمان ہیں، اور وہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر اپنا ایمان چھپائے ہیں، .....

اس سلطنت کے اعیان اور اس کے صوبوں کے والی بھی مسلمان ہی ہیں"

جس قوم کی تہذیب وتمدن کی محبوبیت کا یہ عالم ہے، اب اسی زمانہ میں اس قوم کے دردناک مصائب اور مذہبی آزادی پر ظالمانہ پابندی کی روداد بھی سنئے، لکھتا ہے:۔

"اس شہر کے زمانہ قیام میں ہم کو اس جزیرہ کے باشندوں کی وہ بُری حالت جو عیسائیوں کی وجہ سے ہوئی ہے، اور اس کی ذلت ومسکنت اور ذمیوں کی طرح رہنے، اور بادشاہ کی ایسی سختی جو ان کے بدبخت بچوں اور عورتوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے متعلق کی جا رہی ہے، دردانگیز طریقہ پر معلوم ہوئی اس تشدد نے بعض اوقات ان کے بوڑھوں کے ساتھ ایسی ذلت انگیز سزا کی صورت اختیار کرلی جو ان کے مذہب چھوڑنے کا سبب بن گئی، چنانچہ انہی قریبی سالوں کا قصہ ہے، کہ اس ظالم بادشاہ کے دارالسلطنت کے ایک فقیہ کو جس کا نام ابن زرعہ تھا، سرکاری ملازموں نے مطالبہ ادا کرنے کے لئے اس قدر تنگ کیا کہ وہ دائرۂ اسلام سے نکل کر عیسائیت کے دائرہ میں آگیا، انجیل خوب یاد کرلی، رومیوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا، اور ان کی شریعت کے قوانین ازبر کرلئے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان قسیسوں میں شامل ہوگیا، جن سے عیسائیت کے احکام کے متعلق فتویٰ پوچھا جاتا ہے، اور چونکہ وہ پہلے سے اسلامی شریعت کے احکام سے بھی واقف تھا، اس لئے جب اسلامی شریعت کا کوئی مسئلہ آتا، تو اس کے متعلق بھی اس سے فتویٰ پوچھا جاتا، اور ان دونوں شریعتوں کے احکام کے متعلق اس کا فتویٰ نافذ کیا جاتا، اس کے گھر کے سامنے ایک مسجد تھی، جس کو اس نے گرجا بنا لیا، ...... اسی زمانہ میں ابوالقاسم احمد بن حمود المعروف بابن الحجر، ...... اس ظالم بادشاہ کے زیر عتاب تھے، اس نے ان کے دشمنوں کے

ایک مطالبہ کی وجہ سے ان کو انہی کے گھر میں نظر بند کر دیا تھا، ...... اور بعض جھوٹے الزامات......
......کی پاداش میں وہ عنقریب ہلاک کر دئے جاتے، لیکن ان کے پہرے والوں نے ان کی صفائی
دی، ان پر بہت سے تاوانات بھی جن کی تعداد تقریباً ۳۰ ہزار مومنیہ دینار تھی، لگائے گئے، اُن
ان کے تمام گھر بار اور ان کی تمام ملکیت جو انھوں نے اسلاف سے پائی تھی، ضبط کر لی گئی تھی،......
ہم نے ان سے ملاقات کی، تو انھوں نے اپنی اور اس جزیرہ کے لوگوں کی دلخراش اندرونی حالت بیان
کی، مثلاً انھوں نے کہا میں یہ پسند کرتا تھا کہ کاش میں اور میرے خاندان کے لوگ فروخت کر دیئے
جاتے، تو اس مصیبت سے جس میں ہم لوگ مبتلا ہیں، نجات پا جاتے، اور مسلمانوں کے ملک میں پہنچ
جاتے، ...... ہم ان سے ایسی حالت میں جدا ہوئے، کہ خود روتے تھے، اور لوگوں کو رلاتے
تھے، ہم نے شہر میں ان کے اور اون کے بھائیوں اور خاندان کے گھر دیکھے تھے جو شاندار معلوم ہوتے تھے،
اس جزیرہ کے باشندوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک آدمی اگر اپنے لڑکے یا بیوی پر غصہ
کرتا ہے، یا ماں اپنی لڑکی پر غصہ کرتی ہے، تو یہ سب اس کے عار سے گرجے میں جا کر عیسائی ہو جاتے
ہیں، اور اب بیٹا باپ کے ہاتھ سے اور لڑکی ماں کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے، ...... ہم نے ان کی
سب سے عجیب درد انگیز حالت یہ دیکھی، کہ اس شہر کے اعیان میں سے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ہمارے
حاجی رفقا میں سے ایک کے پاس بھیجا، کہ وہ ان کی باکرہ قریب البلوغ لڑکی سے نکاح کرنا منظور
کر لیں، لیکن اگر وہ نکاح کرنا پسند نہ کریں، تو اپنے شہر میں جس سے پسند کریں نکاح کر دیں، لیکن اسکو
اپنے ساتھ لے جائیں، وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے چھوڑنے پر راضی ہے، تاکہ اس آزمائش سے نجات
پائے، اور مسلمانوں کے شہر میں پہنچ جائے، ...... وہ شخص راضی ہو گیا، اور ہم کو اس حالت پر سخت تعجب
ہوا جو انسان کو ایسی عزیز چیز کی قربانی پر مجبور کر دیتی ہے، اور اس کو ایسے شخص کے سپرد کر دیتا
ہے جو اس کو پردیس میں لے جائے، اور اس پر صبر کرتا ہے، اور اس کے شوق کا مقابلہ کرتا ہے،

اسی طرح اس لڑکی پر تعجب ہوا، کہ اپنے اعزہ کی جدائی حرمتِ اسلام کی خاطر گوارا کرتی ہے، چنانچہ
جب باپ نے اس سے اپنے ارادہ کے متعلق مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے روک لیں گے
تو آپ سے اس کا مواخذہ ہوگا، یہ لڑکی ماں باپ کے پاس تھی، اور اس کے چھوٹے بھائی اور بہن تھے،
یہاں کے عاقبت اندیش لوگوں کو یہ خوف ہے کہ جزیرہ اقریطس کے مسلمانوں پر پہلے جو مصیبت
نازل ہوئی، وہ ان سب پر نازل نہ ہو جائے، کیونکہ اس جزیرہ کے تمام لوگوں کو اس ظالمانہ
حکومت نے رفتہ رفتہ عیسائی بننے پر مجبور کر دیا، خدا کو جس کی نجات منظور تھی، وہ تو بھاگ گئے اور
کافروں پر خدا کا عذاب نازل ہو گیا،"[1]

ابن جبیر کو کیا معلوم تھا کہ ان عاقبت اندیش لوگوں کا یہ خوف ایک سو اسی سال کے اندر ہی پیش آجائیگا،
وہ خطرہ کس شکل میں صحیح نکلا، ابنِ خلدون کی زبان سے سنئے :-

"سلطان ابوز کریا نے صاحب جزیرہ صقلیہ سے مسلمانوں کے لئے یہ معاہدہ کر لیا تھا، کہ شہر اور بیرون
شہر میں سب کے سب (عیسائیوں کے ساتھ) شریک ہو کر رہیں گے، چنانچہ وہ اس طرح آباد ہو گئے
تھے، لیکن جب سلطان کے وفات پانے کی خبر وہاں پہنچی، تو عیسائی ان پر مظالم کرنے کے لئے ٹوٹ
پڑے، اور وہ پھر قلعوں اور پتھریلی زمینوں میں پناہ گزیں ہو گئے، اور اپنے اوپر بنو عبس کے پرجوش
شخص کو سردار مقرر کیا، اور صقلیہ کے جابر بادشاہ نے ان کے کوہستانی قلعوں میں ان کا محاصرہ کیا،
اور ان کو گھیر کر قلعہ کے نیچے اتارا، اور ان کو سمندر کے پار لوجارہ میں لیجا کر انھیں آباد کر دیا، اور جزیروں
پر قابض ہو گیا، اور کلمہ کفر کو رائج کر کے کلمۂ اسلام کو مٹا دیا،"[2]

پھر ان جلاوطن بدبخت مسلمانوں کو اٹلی کی ان نو آبادیوں لوسیرا و نوسیرا میں بالآخر کیا پیش آیا، اسکو ہسٹورین
ہسٹری آف دی ورلڈ میں دیکھئے، کہ

"مسلمانان صقلیہ قلب ایطالیہ میں رہ کر اپنے مذہب اور اپنی معاشرت کو قائم رکھتے تھے، یہانتک کہ

[1] رحلۃ ابن جبیر از ص ۳۳۰، ۳۳۳، [2] ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۸۰،

تیرہویں صدی کے آخر میں خاندان انجو نے ان کا قطعی استیصال کر دیا"[1]

اور انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں کہا گیا ہے:-

"شروع میں انھیں مذہبی آزادی حاصل رہی لیکن وہ ۱۳۰۰ء میں بجبر عیسائی بنائے گئے"[2]

یہی ہے ان مسلمانان صقلیہ کا آخری انجام جنھوں نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم وفنون کی ایسی داغ بیل ڈالی، جو جدید یورپ کے جدید تہذیب و تمدن اور جدید علوم وفنون کی بنیادوں میں سے ایک ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں، لیکن ان کے ان احسانات کے باوجود اس قوم کا ہر ایک متنفس یوں صفحۂ ہستی سے محض تنگ نظر و تنگ انسانیت علمبرداران مسیحیت کے جہل و تعصب کی بدولت حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا، اور پورا جزیرہ صقلیہ مع اپنے وسیع معنی اطلاق کے مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو گیا، اور اس ساری سرزمین میں ایک متنفس بھی کلمۂ اسلام کا پڑھنے والا باقی نہیں چھوڑا گیا، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا کی بھی یہی شہادت ہے، سسلی کا مقالہ نگار لکھتا ہے،

"نرمنوں نے عیسائیت کے فروغ میں اپنی آخری کوششیں صرف کر دیں، اور اب صقلیہ کی سرزمین پر سسلی کے مخصوص باشندے رہ گئے، اور سب کے سب ایک قوم اور ایک مذہب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے"[3]

مسلمانان صقلیہ کے اس حسرتناک انجام کے سات سو برس بعد بیسویں صدی میں ہمارا ایک دردمند شاعر سسلی سے گذرا، خوبصورت جزیرہ پر نظر پڑتے ہی صقلیہ کی یاد تازہ ہو گئی، اور دفور جذبات میں سسلی کو مخاطب کر کے صقلیہ کے تہذیب حجازی کو جواب عہد رفتہ کا ایک فراموش شدہ واقعہ اور تاریخ اسلام کی ایک گم شدہ کڑی بن چکی تھی، یاد کر کے اشکبار ہوا،

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار وہ نظر آتا ہے تہذیب حجازی کا مزار

بس آج اس تہذیب حجازی کے لوح مزار کے یہی چند نقوش صفحۂ قرطاس پر باقی رہ گئے ہین،

---

[1] ج ۹ ص ۱۰۳، [2] ج ۵ ص ۹۲۳، (چارلس اول و دوم) وجلد، ص ۹۶ (نویمان) [3] ایضاً جلد ۲۵ ص ۳۵ (سسلی طبع یازدہم)

شمس معنوی

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

"انتخاب دیوان شمس تبریز مرتبہ ڈاکٹر نکلسن اور مترجمہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی پر معارف نمبر ۶ جلد ۳۰ بابتہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک فاضلانہ تنقید شائع ہوئی ہے، اسکے آخری سطور یہ ہین:-

"اس کتاب میں اصل بحث جسکے دیکھنے کے ہم متمنی تھے یہ تھی کہ یہ دیوان جو شمس تبریز کے نام سے موسوم ہے در اصل کس کا ہے؟ اور اس بات پر کہ یہ اصل میں مولینا روم کی تصنیف ہے کیا قدیم شہادتیں موجود ہیں؟ مگر اس مسئلہ کی طرف اس کتاب میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا گیا" اس مقالہ میں اسی تمنا کی تکمیل کا سامان ہے، اس موضوع پر تفصیلی بحث لکھی گئی ہے" غلام دستگیر رشید

آغاز سخن خدا نے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے، جس کی بدولت گلشن حیات کی رنگینی جنت نظر بن گئی، حسن ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے، حسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقام عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبان عشق یعنی ملکۂ شعر نصیب ہوا، عالم شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے، عشق ان کی جان ہے، روح رواں ہے، جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں، جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع:-

عشق می گویم و جان می دہم از لذت وے

ایران اور عشقیہ شاعری جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوت باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیت مجموعی سوز عشق بہ اختلاف مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستان ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے، لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حسن و شباب ہے، ایک وجہ اسکی یہ ہے، کہ مبدء فیاض نے ایران کو بھی حسن بخشا ہے، اور اہل ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو، ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسیٰ ہی نہ ہو،

ہر اہلِ دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا، ع

اک آگ سی ہے، سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین میں جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب میں اسکی نظیر نہیں، اگرچہ ہر بوالہوس نے "حُسن پرستی" اور "شعر گوئی" کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا، لیکن بحمد اللہ "آبروے دیدۂ اہلِ نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی، اصنافِ سخن میں سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراجِ کمال اور قبولیتِ عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنفِ سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کے جزئی و کلی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن و خوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل میں ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان میں مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج، جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہرِ حُسن غیر محدود ہیں، ویسے عشق کے مراتب بھی لا متناہی ہیں، محبت ماں سے بھی ہو سکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہلِ وطن پر بھی، قلبِ انسانی کبھی حُسنِ فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی دردِ ملت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنین کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہ و لُطف پر قربان کرنے کو طیار رہتا ہے، لیکن یہ سب حُسن و عشق کی فانی صورتیں ہیں،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسنِ مطلق کا شیدائی ہو جاتا ہے،

بیتابئ عشق کو تسکینِ کامل حُسنِ ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے، حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کششِ عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی، عشقِ حقیقی میں ناز اور نیاز دونوں بے نظیر ہیں، ... ع

من بہ نازی عجبے تو بہ نیازے عجبے،

عشقِ مجازی میں وہ دبدبہ و جلال وہ جذبۂ استقلال و بیخودی، وہ بے نفسی اور تسلیم کہاں، جو عشقِ حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلکِ محبت کا نام تصوف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدت اور قوت میں پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشد حُبًا للہ، درسِ تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوانِ عشق" ہی ہے، عشقیہ شاعری کی معراج عشقِ حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں وارداتِ قلبی، اور جذباتِ الفت مثلاً اشتیاقِ دید، لذتِ انتظار، تمنائے وصال، عشق اور اس کے لوازم تقریباً ملتے جلتے ہیں، البتہ خاص فرق و امتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے، عاشقِ مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے، لیکن طالبِ حق لذتِ شرب و مدام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارجِ تاثیر و کمال طے کئے،

ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعرا کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایاں تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئیں، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونقِ محفل بنی، ابتدائی منزلوں میں غزل صرف عشقِ مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دورِ تصوف آیا، تو عشقِ دنیا کا یہ غم محبوبِ حقیقی کے غمِ عشق سے مبدل ہو گیا، اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیائے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کر دیا،

دردل ماغم دنیا غم معشوق بود　　　بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

یا بقول مولانائے روم ؒ ؎

آتش عشقست کاندر نے فتاد　　　آتش عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے، محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی، یہی وجہ ہے کہ ارباب صفا کے کلام میں جسقدر بلندی جذبات پاکیزگی خیال، صداقت احساس، اور اثر اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس و کنار وغیرہ، اگرچہ عشق حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدۂ حق کی گفتگو ہوسکے، لیکن اس پیرایۂ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشق حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے، اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہد شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کرسکتی، جو معنوی حسن و بلندی اسکی وجہ سے شعر فارسی کو حاصل ہے اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے، جس پر اہل زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقۂ سنائی ؒ کی شادابی، عطار ؒ کی عطر بیزی، سعدی ؒ کی مے ناب نظامی ؒ کی رمز گوئی، رومی ؒ کے نغمۂ نے، عراقی ؒ کے عرفانی گیت، حافظ ؒ کی نغمہ سرائی خسرو ؒ کے سحر حقیقت، جامی ؒ کے جام جان بخش گلشن راز کی بہار، اور اقبال ؒ کے رموز بیخودی کا جواب پیش کرسکتی ہے، ظاہر بین اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالم لطیف کی نعمتوں اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے، لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کرسکتا

اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف، ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبان شعر ہی اختیار کرے،

سب سے پہلے جن اہل دل بزرگوں نے کلام مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیر ؒ اور خواجہ عبداللہ انصاری ؒ ہیں، مثلاً عشق حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدت عشق، اور حسن بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو جانم اندر رگ و پوست　　　تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزاے وجودم ہمگی دوست گرفت　　　نامیست ز من بر من و باقی ہمہ دوست

(خواجہ انصاری)

راہ تو بہر قدم کہ پویند خوش است　　　وصل تو بہر سبب کہ جویند خوش است

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است　　　نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیر)

ان کے بعد حکیم سنائی ؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھوں نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات کا اظہار کیا، بلکہ مسائل تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی ؒ کے بعد حضرت عطار ؒ نے اپنی عطر بیزی سے مشام جان کو معطر فرمایا، حضرت عطار ؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ مثنوی، رباعی، غزل سارے اصناف سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، اب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیاں اپنی بہار دکھانے لگیں، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالم فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حسن باقی کی طرف اکثر اہل عبرت اور صاحب دل متوجہ ہو گئے، تصوف کی گرم بازاری ہوئی، اکثر ارباب صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی

اوحدیؒ، سعدیؒ، عراقیؒ، اور مولینا رومؒ نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت؛ بلا شبہہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعران بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا،

انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنویِ مولویِ معنوی، ہست قرآن در زبانِ پہلوی،

اس کتابِ حق نما کی بنا پر انھیں ع

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر وقیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور ہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانین اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں، شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ انکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائیؒ، اور عطارؒ نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے،

غزل کی جان گدازِ الفت، سوزِ دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمالِ اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبد الواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلین لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایان اور غالب عنصر صنائعِ نظمی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلین اس سوزِ عشق سے خالی تھیں، جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیرین مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت؛ تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسم مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدیؒ، عراقیؒ اور مولینا رومؒ ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں، لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعرا سے ممتاز کرتی ہے،

مولینا کی غزلیات کی اہمیت؛ مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہین،

۱- یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحبِ مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہین،

۲- غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہین، یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقا، کا پہلا زینہ ہین،

۳- فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعرا میں ہیں،

۴- شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے، جس کی مثال اردو میں اکبر اور اقبال کی شاعری ہے، فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵- گرمئی عشق، بیتابئِ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبال کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبال بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶- انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق ومحبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھون کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ؛ مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہلِ ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے، لیکن دیوان سخن شناسون کی نگاہِ التفات سے محروم رہا، الا ماشاء اللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، عرصہ ہوا

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشغولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ ۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شایع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی،

اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہو گیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ سچ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقت حال بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں:۔

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں:۔

۱- مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شایع ہو گیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریز مطبوعہ لکھنو ۱۳۰۲ھ)

۲- کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شایع کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوان شمس تبریز لکھنو ۱۳۲۶ھ)

۳- اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنو اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴- غلط فہمی عام ہونے کے سب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتی کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شایع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل راز سے وہ واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخوں کے دیباچوں یا اختتامی تحریروں اور طباعت کے تاریخی قطعات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:۔

"دیوان کرامت نشان، مشرقستان مضامین توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائف ایقان نور انگیز یعنی دیوان شمس تبریز از خزائن اسرار خاطر امین خلوت سرائے قدس قدوۃ العارفین اسوۃ الواصلین رفیق شریعت و طریقت، رمز شناس لطائف حقیقت، معرفت غواص محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولی مادر زاد حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزی

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

مجموعہ کلامہائے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریز، از خیال خدا داد تجلی زائی آفتاب تابان آسمان عرفان وسلوک، معرفت نژاد ولی مادر زاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہ،

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیت عجیب دل نشینی ہر مصرعہ اوست بس طرب خیز
عاقل نوشت سال ہجری دلبر دیوان شمس تبریز،

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخوں کی فہرستوں میں بھی اس کو کہیں کہیں حضرت شمس تبریزی کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سر ورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے، البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریزی ہی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد اول صفحہ ۷۲۶)

مولینا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہاں ایک قدیم نسخہ ہے، لیکن افسوس ہے، کہ وہ بھی نامکمل ہے، صاحب موصوف نے از راہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرماکر استفادہ کا موقع بخشا، جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہیں، اس کا بھی یہی حال ہے کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہو سکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکرون، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعراء کے بعض تذکرون میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرہ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مظفر حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از نشئہ کلام شمس تبریز این شعر است":

در طوف حرم بودم دے منبچہ میگفت کاین خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریرون سے غلط فہمی اور خفیف فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسون نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلین عام طور پر مقبول اور مروج ہوئین، تو انکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریز ہی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارف روم کا شاندار تغزل پردۂ پوش ہوگیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہوگئے، جہانتک ہمیں علم ہے مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جد و جہد نہیں کی گئی، کہ اس دیوان کو ان شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کے طلسمات سے نکالا جائے اور داخلی و خارجی شواہد اور تاریخی

ادبی براہین سے یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ شراب طہور عارف روم مولوی معنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرح سے، کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے، لیکن بے بساطی اور بے سرو سامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں، اسکے لئے علاوہ شعراء اولیاء کبار کے تذکرون اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخون، ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفترون کا کامل مطالعہ ضروری ہے، لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت دوسری تعلیمی مشغولیتون کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے، جو حیدرآباد میں ہمارے ہاتھ آسکا، مغرب اور مشرق کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبور اور معذور ہین،

کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانون میں پائے جاتے ہین، ہماری رسائی سے باہر ہین، اس وقت کے سبب سے قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخون سے مقابلہ کئے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر ہونگی، اور مختلف کمزوریان نظر انداز کیجائیں گی،

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

۱- خارجی یا تاریخی شواہد جس سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،

۲- داخلی اور معنوی شہادتین جس سے مذکورہ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،

۳- مولینا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انہیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعراء کے کلام سے ممتاز کرتے ہین،

۴- مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفہ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارِ زندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالۂ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱۔ ۶۰۴ھ سنہ پیدایش،

۲۔ ... تا ۶۲۳ھ (عمر ۱۹ سال) تحصیل علوم ظاہری وسیاحت وغیرہ،

۳۔ ۶۲۳ھ تا ۶۴۲ھ (۳۸ سال) تدریس وافتا، تکمیل دورِ قال،

۴۔ ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (۴۸ سال) آغاز دورِ معنوی وملاقات شمس وغیاب، تصنیف دیوان،

۵۔ ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (۵۸ سال) دورِ تسکین وصحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶۔ ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (۶۸ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی وتکمیل مثنوی،

۷۔ ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے، جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

(باقی)

تصوّف کا اثر علوم وفنون پر

از

مولینا عبد السلام ندوی

قدما رصوفیہ کا دور تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا جس میں مذہبی گروہ کے سامنے علوم شرعیہ یعنی قرآن حدیث، فقہ اور تفسیر کے سوا کچھ نہ تھا، صوفیہ بھی اسی مذہبی گروہ میں داخل تھے، اسلئے قدما رصوفیہ علوم شرعیہ میں بڑا تبحر رکھتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے لکھا ہے، کہ قدما رصوفیہ قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے، کیونکہ اس دور کے صوفیہ تصوّف کو قرآن وحدیث سے وابستہ سمجھتے تھے، اسلئے علوم شرعیہ کو خود حاصل کرتے تھے، اور لوگوں کو انکے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، کہ "ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنت کا پابند ہے، اسلئے جس نے قرآن نہیں پڑھا، اور حدیث نہیں لکھی، اس کے لئے اس علم میں گفتگو کرنا مناسب نہیں"

لیکن متاخرین صوفیہ کے دور میں تصوف قرآن وحدیث سے الگ ہوکر دوسرے دوسری عقائد و خیالات کا مجموعہ ہو گیا، اور اس معجونِ مرکب نے متاخرین صوفیہ کو قرآن مجید سے اسقدر نا آشنا کر دیا کہ جو لوگ قرآن مجید کی خدمت میں مصروف رہتے تھے، ان کو چشمِ حقارت سے دیکھنے لگے، چنانچہ شیخ ابو الحسن خرقانی کا قول ہے کہ

"کسانے دیدہ ام کہ بتفسیر قرآن مشغول بودہ اند، جوان مردان بتفسیر خویش مشغول بودہ اند"[1]

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ قائلین وحدۃ الوجود میں بعض لوگوں کا قول ہے کہ (نعوذ باللہ) پورا قرآن شرک ہے، اور توحید وہ ہے جو ہم کہتے ہیں،[2]

[1] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ ص ۲۳۹ [2] مدارج السالکین جلد ۳ ص ۳۳۶،

ان خیالات کی بنا پر متاخرین صوفیہ قرآن مجید کی کوئی صحیح خدمت نہ کر سکے، بلکہ جو تفسیریں لکھیں ان کو اشارات کنایات، اور تاویلات کا مجموعہ بنا دیا، چنانچہ علامہ ذہبی ابوعبدالرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہیں:-

الف حقائق التفسیر فاتی فیہ بمصا	انھوں نے تفسیر کے حقائق جمع کئے، اور اس
وتاویلات الباطنیۃ نسأل اللہ	میں باطنیوں کی تاویلات درج کیں، ہم خدا سے
العافیۃ [۱]	عافیت کے طلبگار ہیں،

شیخ محی الدین ابن عربی کی تفسیر کا حال سب کو معلوم ہے، اور یہ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ اور اسکی تفسیر جس انداز میں کرتے تھے، اس کا اندازہ بعض مثالوں سے ہو سکتا ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی انا اعطیناک الکوثر کے متعلق لکھتے ہیں:-

"تا آنکہ بعضے از ایشان تصریح کردہ کہ حضرت پیغمبر ما علیہ وعلی جمیع اخوانہ من الصلوٰۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا، بعد از حصول کمالات نبوۃ در مقام شہود وحدت در کثرت بودہ است، وکریمہ:- انا اعطیناک الکوثر را اشارہ بآن مقام می نمایند و ترجمہ کریمہ را باین عبارت می کنند "بدرستیکہ دادیم ترا شہود وحدت در کثرت"،

پھر اس ترجمہ کے متعلق اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں:-

"حاشا وکلا کہ این قسم معارف شایانِ مقام نبوت باشند" [۲]

امام رازی قل للمومنین یغضوا من ابصارھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

سئل الشبلی عن قولہ یغضوا من	شبلی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا
ابصارھم فقال ابصار الرؤس	گیا، تو انھوں نے کہا کہ سر کی آنکھوں
عن المحرمات وابصار القلوب	کو محرمات سے اور دل کی آنکھوں کو ماسوی

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹، [۲] مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول ص ۳۴۵،

عما سوی اللہ تعالیٰ،	اللہ سے جھکائے رکھیں،

حالانکہ تفسیر کے دوسرے ٹکڑے کی طرف اس آیت میں اشارہ تک نہیں،

دوسری جگہ لا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین. انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون کی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ بعض صوفیہ اور بعض فلاسفہ نے فرشتہ، داعی الی الخیر کی تفسیر قوتِ عقلیہ سے اور شیطان داعی الی الشر کی تفسیر قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ سے کی ہے [۱]

ان مثالوں سے اندازہ ہوا ہوگا کہ صوفیہ کے ترجمہ وتفسیر کا انداز عام جمہور مفسرین سے کس قدر مختلف اور قرآن مجید کے لفظ وعبارت سے کس قدر بیگانہ تھا، اس لئے محققین کے نزدیک اون کے اس قسم کے اشارات تفسیری حیثیت سے ناقابلِ اعتبار قرار پائے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں لکھتے ہیں:-

"اما اشارات صوفیہ و اعتبارات ایشان بحقیقت از فن تفسیر نیست بلکہ نزدیک استماع قرآن چیزہا بر دل سالک ظاہر گردد، و در میان نظم قرآن وحالتے کہ آن سالک دارد یا معرفتے کہ اورا حاصل است متولد می شود، چنانکہ کسے قصہ مجنون ولیلیٰ شنود، ومعشوقہ خود را یاد کند، ومعاملہ کہ در میان وے ومیان محبوبۂ وے می گذرد مستحضر سازد" [۲]

قرآن مجید کے بعد علم حدیث کا درجہ ہے، اور صوفیہ کو علم حدیث سے جسقدر بے اعتنائی تھی، اس کا اندازہ اوس واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابوالقاسم شیرازی کے حال میں اس طرح لکھا ہے:-

"وہ پاکباز صوفی، اور فاضل بزرگ ہیں، بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے، اور بہت سی حدیثیں سنی ہیں، احمد بن محمد خاسانی کہتے ہیں، کہ جب میں ان کے پاس خانقاہ میں جاتا تھا تو وہ

[۱] تفسیر کبیر جلد ثانی ص ۱۱۶، [۲] فوز الکبیر ص ۱۰۵،

مجھے صحرا میں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے، کہ یہاں پڑھو، کیونکہ جو لوگ علم اور حدیث میں مشغول ہوتے ہیں، صوفیہ ان سے بگڑتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ یہ لوگ ہمارے اوقات میں خلل انداز ہوتے ہیں"[1]

صوفیہ کے نزدیک اصلی چیز عمل تھا، اور چونکہ تمام احادیث پر عمل ناممکن تھا، اسلئے وہ سماعِ حدیث کو ایک فعل لایعنی سمجھتے تھے، چنانچہ ابو حفص حداد کے حالات میں لکھا ہے کہ

"در ہمسایگی او احادیث استماع می کردند، گفتند آخر چرا نیائی، تا سماع احادیث کنی گفت من سی سالست تا می خواہم کہ داد یک حدیث بدہم نمی توانم داد، سماع دیگر حدیث چوں کنم، گفتند آن حدیث کدام است گفت، آنکہ می فرماید رسول صلی اللہ علیہ وسلم، من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ، از نیکوئی اسلام مرد آن ست کہ ترک کند چیزے کہ بکارش نیاید"[2]

اس عبارت میں نہایت مخفی اشارہ اس بات کا موجود ہے کہ بغیر عمل کے سماعِ حدیث ایک فعل لایعنی ہے، جسکو چھوڑ دینا چاہئے، لیکن باانیہمہ چونکہ حدیث کو ایک حجت شرعی سمجھتے تھے، اس لئے بعض مقصود اپنے مقاصد کے اثبات کے لئے حدیثیں وضع کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، چنانچہ حافظ ذہبی ابو عبد الرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہیں:-

وکان یضع للصوفیۃ الاحادیث[3] — وہ صوفیوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے،

صوفیہ جس قسم کی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، ان کی مثالیں بھی موضوعاتِ حدیث کی کتابوں میں بآسانی مل سکتی ہیں، چنانچہ موضوعاتِ ملا علی قاری سے ہم اس قسم کی چند مثالیں درج کرتے ہیں،

۱- ان الشیطان یجری من ابن آدم — شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۵، [2] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۱ ص ۳۲۴، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹،

مجری الدم — دوڑتا رہتا ہے،

یہ حدیث بالکل صحیح ہے، لیکن اس میں صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے:-

فضیقوا مجاریہ بالجوع، — تو بھوک سے اس کا راستہ بند کر دو،

۲- رأیت ربی فی صورۃ شاب امرد، — میں نے اپنے خدا کو ایک نوخیز جوان کی شکل میں دیکھا،

یہ حدیث سرے سے موضوع ہے،

۳- کان اللہ ولا شئی معہ ولم یکن شئی قبلہ — خدا تھا، اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی،

صحیح حدیث ہے لیکن توحید وجودی کے ثابت کرنے کیلئے صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا،

وھو الآن علی ما علیہ، — اور وہ اب بھی اسی حالت میں ہے،

۴- حدیث لبس خرقہ اور حدیث تواجد جس سے صوفیہ استدلال کرتے ہیں، دونوں موضوع ہیں، یہ لوگ زیادہ تر بدعات ومحدثات، اور فضائل اعمال کے متعلق حدیثیں وضع کیا کرتے تھے یا اس قسم کی حدیثوں سے استدلال کیا کرتے تھے، چنانچہ صلوۃ عاشورا، صلوۃ الرغائب، صلوۃ لیالی رجب وشعبان کی فضیلت میں جسقدر حدیثیں ہیں، سب موضوع ہیں، اور ان کے متعلق ملا علی قاری لکھتے ہیں

ولا تغتر بذکرھا فی قوت القلوب واحیاء العلوم، — اس سے دھوکا نہ کھانا کہ وہ قوت القلوب اور احیاء العلوم میں مذکور ہیں،

غرض متاخرین صوفیہ نے تحریف میں اس قدر کمال پیدا کر لیا تھا، کہ جس علم کو چاہتے تھے، تصوف کے قالب میں ڈھال لیتے تھے، یا یہ کہ خود متاخرین کا تصوف ہی اسقدر لچکدار چیز تھا کہ ہر علم کے قالب میں ڈھل جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن وحدیث سے گذر کر صرف ونحو کی کتابوں میں بھی صوفیانہ حقائق نظر آنے لگے، چنانچہ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام

ہیں کافیہ کی تین شرحون کا ذکر کیا ہے، جو صوفیانہ انداز میں لکھی گئی تھیں، انکے اصلی الفاظ یہ ہین،

"واز نوادر تصانیف او شرح کافیہ ابن حاجب است بطور حقائق تا مبحث غیر منصرف"،

اسکے بعد لکھتے ہین:-

"مخفی نماند کہ دو شرح دیگر بعبارت عربی و فارسی تا مبحث غیر منصرف بطور حقایق در نظر فقیر رسیدہ نام شارح عربی میر ابو البقا است، و نام شارح فارسی ملا موہن بہاری"

ان مین پہلی شرح کا نمونہ یہ ہے:-

الکلمۃ لفظ ای ملفوظۃ علی السنتنا وملحوظۃ لقلوبنا ومحفوظۃ بہ بواطننا یعنی کلمۂ توحید در مرتبہ اقرار زبانہاے ما ملفوظ است، و در مرتبہ تصدیق دلہاے ما را ملحوظ و در مرتبہ احوال باطنہاے ما از محفوظ"[1]

لیکن با این ہمہ بہت سے علوم و فنون تصوف کے احسان سے گرانبار بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے،

۱- **فارسی شاعری** اس میں کیف و اثر صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوا ہے، اور اسکو تمام نقادان شعر نے تسلیم کیا ہے، مولانا حالی اپنے دیوان کے مقدمہ مین لکھتے ہیں:-

"غزل کو جن لوگون نے چمکایا اور مقبول خاص و عام بنایا ہے، یہ وہ لوگ تھے، جو اجتباء اہل اللہ اور صاحب باطن یا کم سے کم عشق الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں، جیسے سعدی، رومی، خسرو، حافظ، عراقی، مغربی، احمد جام، اور جامی وغیرہم"،

مولانا شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں:-

فارسی شاعری اسوقت تک قالب بے جان تھی، جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا، شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے جذبات کا سرے

[1] مآثر الکرام جلد اول ص ۳۱ و ۳۲،

وجود ہی نہ تھا، تصوف کا اصلی مایۂ خمیر عشق حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے"،

عاشقانہ جذبات کے علاوہ تصوف کی بدولت فارسی شاعری کو جو سرمایہ مضامین ملا، وہ حسب ذیل ہے،

(۱) صوفیانہ مسائل، (۲) علم کلام کے مسائل، (۳) فلسفۂ اخلاق، (۴) فلسفیانہ نکات،

اس کے علاوہ اور بھی مختلف حیثیتون سے، زبان، محاورات، اور خیالات پر تصوف کا اثر پڑا،

۲- **علم کلام** کا بہترین ذخیرہ جو موجودہ دور میں کام آسکتا ہے، تصوف ہی کی بدولت مسلمانون کے ہاتھ آیا، امام رازی، امام غزالی، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے عام شاہراہ سے الگ ہو کر علم کلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ سب تصوف ہی کے بتائے ہوئے حقائق و اسرار ہیں، جسکی نسبت مولانا شبلی الکلام مین لکھتے ہین کہ

"اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو سربمہر رکھا تھا، اون کو وقف عام کردے"،

۳- **فلسفۂ اشراق**، تصوف ہی کی بدولت مسلمانون میں پھیلا، اور اس کو صوفیوں ہی کی وجہ سے حسن قبول حاصل ہوا، شیخ الاشراق متاخرین کے تصوف کی وسعت کے لحاظ سے صوفی تھے، اور انہین نے مسلمانون میں فلسفۂ اشراق کی اشاعت کی، شیخ محی الدین ابن عربی کا فلسفہ بھی درحقیقت اشراقیون ہی کا فلسفہ ہے، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب لکھتے ہین:-

"کلام شیخ محی الدین ابن عربی با حکمت اشراق موافق است"[1]

۴- **فلسفۂ اخلاق** کی ترتیب و تدوین بھی صوفیون کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو اگرچہ مختلف حیثیتون سے قابل تنقید ہے، تاہم ابن مسکویہ نے تہذیب الاخلاق میں یونانی فلسفۂ اخلاق پر جو کچھ لکھا ہے، وہ صوفیانہ اخلاق کے بحر ذخار کے سامنے ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا،

۵- **علم اسرار الدین** بھی تصوف ہی کی بدولت وجود میں آیا، یا کم از کم اس علم کے عقدے تصوف

[1] دبستان المذاہب ص ۲۲۳،

ہی کی بدولت کھلے،

۶۔ **ملفوظات و مکتوبات** جو صوفیوں کی طرف منسوب ہیں، وہ بھی مختلف علوم و فنون کی انسا[illegible] ہیں، اور اہل نظر کے لئے ان میں دلچسپی کے بڑے سامان ہیں،

۷۔ **مخلوقات و مصنوعات الٰہی** کے مصالح و فوائد کی تشریح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی تصوف ہی کی پیداوار ہیں،

انشاء اللہ ہم مختلف اوقات اور مختلف مضامین میں ان علوم پر نقد و تبصرہ کرتے رہیں گے جس سے معلوم ہو سکے گا، کہ عملی حیثیت سے تصوف کا پہلو جس قدر تاریک ہے، اسی قدر علمی حیثیت سے اوس کا چہرہ روشن ہے،

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے انواع و اقسام کا بیان ہے، پھر فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد میں سے ہر ایک پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحثیں ہیں، پھر توکل صبر اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں،

تقطیع کلاں، ضخامت [illegible] صفحات، قیمت: قسم اعلیٰ صہ، قسم دوم للعہ

تصوف اسلام

از مولینا عبدالماجد دریابادی

خالص اسلامی تصوف اور قدماے صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان ضخامت ۲۴۲ صفحے

قیمت: عہ طبع ثانی،

"منیجر"

جنوبی ہند کے ایک مشہور ذی علم خاندان کا ذخیرہ کتب

کتبخانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن،

از جناب محمد غوث صاحب، ایم اے، ال ال بی، حیدرآباد دکن،

گذشتہ ماہ رجب میں "کتب خانہ سعیدیہ" کے نام سے حیدرآباد دکن میں ایک خاص علمی ادارہ کا افتتاح عمل میں آیا ہے، علمی دنیا سے اس کو متعارف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، کیفیت ذیل اسی مقصد سے مرتب کی گئی ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم کتب خانہ کا نام مفتی محمد سعید خان مرحوم کے نام سے منسوب ہے، مرحوم سے حیدرآباد اور جنوبی ہند کے ارباب علم بخوبی واقف ہیں، مفتی صاحب مرحوم کا علوم ظاہر و باطن میں کمال اور ان کے مذہبی شغف اور تقدس نے ان کا نام زندۂ جاوید بنا دیا ہے، ۱۳۱۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو سرکار نظام نے جریدۂ اعلامیہ کے ذریعہ یہ امر تسلیم فرمایا تھا کہ "عہدۂ افتاء کو ان کی ذات سے اعزاز حاصل تھا"

کتبخانہ کے متعلق کیفیت قلم بند کرنے سے قبل نامناسب نہ ہوگا، اگر مفتی صاحب مرحوم کے اجداد کے حالات بھی مختصراً قلم بند کئے جائیں،

آباؤ اجداد مفتی محمد سعید خان مرحوم کا خاندان ان عربی النسل خاندانوں میں سے ہے، جنھوں نے براہ راست عرب سے سواحل ہند میں توطن اختیار کیا، جنوبی ہند میں اس خاندان کو جو علمی اور مذہبی وجاہت حاصل ہے وہ مماثل ہے، اس وجاہت کے جو دہلی میں مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے ممتاز خاندان کو حاصل ہے مفتی صاحب

کے خاندان کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ مسلسل ۱۲ سولہ پشتون سے ان کا یہ خاندان جنوبی ہند میں مذہب و علم کی خدمت گذاری میں مصروف ہے،

مخدوم اسحٰق خاندان کے جد اعلیٰ مخدوم اسحٰق کے جو کچھ حالات موجود ہیں، ان سے ظاہر ہے کہ اشاعت اسلام ان کا خاص مشغلہ تھا، ان کی تیسری پشت میں قاضی احمد تھے، قاضی احمد کی اولاد میں مولانا حبیب اللہ بیجاپوری ایک مشہور عالم اور شاہ صبغۃ اللہ بیجاپوری کے خلیفۂ اعظم تھے،

قاضی محمود قاضی احمد کے فرزند قاضی محمود جن کی اولاد میں مفتی محمد سعید خاں بھی ہیں، عادل شاہی دور حکومت میں گوا کے قاضی تھے، مولانا جامی قدس سرہٗ کے یہ معاصر تھے اور دونوں میں سلسلۂ مکاتبت جاری تھا،

نظام الدین احمد کبیر قاضی احمد کے پوتے نظام الدین احمد کبیر کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، انھوں نے شیخ عوض بن سقاف سے سند حدیث حاصل کی تھی، یہ سلسلہ ہندوستان کے متعارف سلسلون سے علیحدہ ہے، اس سلسلہ کی بنا پر اجازت و سند حدیث کا تسلسل خاندان میں ڈھائی سو سال سے ابًا عن جد چلا آرہا ہے جو ایک خاص خصوصیت ہے،

نظام الدین احمد کبیر کی اولاد میں مولانا محمد حسین قادری امام المدرسین، مشہور مدرسہ بیدر کے ایک نامور استاد گذرے ہیں،

نظام الدین احمد صغیر نظام الدین احمد صغیر، جو نظام الدین احمد اول کے پوتے تھے، ارکاٹ میں وار دغہ عدالت کی خدمت پر مامور تھے، ان کی تصانیف میں ایک عربی رسالہ "ابنار الاذکیا بہ تحبیب الطیب والنسا رلی سید الانبیا" محققانہ رسالہ ہے،

محمد غوث شرف الملک ان کے پوتے مولانا محمد غوث شرف الملک دیوان ریاست کرناٹک مدراس کے ایک مشہور اور ممتاز فرد گذرے ہیں، مولانا شرف الملک علامہ بحر العلوم کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے، انکی ایک تالیف نثر المرجان فی رسم خط القرآن ضخیم جلدوں میں اپنے فن کی بے مثل کتاب ہے، یہ کتاب مجلس اشاعت العلوم

حیدر آباد نے طبع اور شائع کی ہے،

مولانا عبد الوہاب اور قاضی بدر الدولہ مولانا شرف الملک کے دو فرزند تھے، بڑے فرزند مولانا عبد الوہاب، مدار الامرا، دیوان ریاست کرناٹک، فن رجال کے مستند مولف ہیں، چھوٹے فرزند مولانا صبغۃ اللہ، قاضی بدر الدولہ ہیں، قاضی صاحب نے اگرچہ معقولات کی بھی تکمیل کی تھی، لیکن ان کو اصلی ذوق مذہبی علوم سے تھا، بلند پایہ مؤلف کی حیثیت سے انھوں نے اپنا نام یادگار چھوڑا ہے،

مفتی محمد سعید خان حیدرآباد میں مفتی محمد سعید خان مرحوم، قاضی بدر الدولہ کے ہی فرزند ہیں، مفتی صاحب ۱۲۸۶ھ میں نواب سر سالار جنگ اول کی طلبی پر حیدر آباد آئے اور عدالت کے مختلف اعلیٰ عہدون پر کام کیا،

خاندانی کتب خانہ مفتی صاحب مرحوم کو کتابون سے جو انتہائی شغف تھا اس کی زندہ یادگار ان کا یہ بے مثل کتب خانہ ہے،

واضح ہو کہ مفتی صاحب مرحوم کا کتب خانہ خاندانی کتب خانوں کا ایک حصہ ہے، خاندان کے موجودہ کتب خانون کی بنا قاضی محمود مرحوم نے قائم کی تھی، ۹۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے، قاضی صاحب سے قبل کتابوں کا جو ذخیرہ مہیا تھا وہ کسی ندی کے عبور کرتے وقت طغیانی سے تلف ہو گیا، اس نقصان کے بعد قاضی صاحب نے از سر نو کتابون کی فراہمی کا بیڑا اٹھایا، ان کے بعد سے آج تک خاندان مین کتابین برابر جمع ہوتی آئی ہین، کتب خانہ سعیدیہ بھی اسی قسم کی کوشش کا ایک نمونہ ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم نے اپنا نایاب اور قیمتی کتب خانہ اپنے نواسے مولوی محمد غوث مرحوم کو دیدیا تھا، مولوی محمد غوث مرحوم، جن کا دو ایک سال قبل طاعون میں انتقال ہوا، اس امر کے کوشان تھے کہ اس کتب خانہ سے استفادۂ عام کا انتظام کرین، لیکن اول تو مالی مشکلات سے مجبور تھے، پھر اجل آگئی، ان کے انتقال کے بعد یہ احساس قوی تر ہو گیا کہ ان کے علمی خزانہ کی حفاظت اور ارباب علم کے لئے اس سے استفادہ کا انتظام، علوم اسلامیہ کی بہترین خدمت گذاری ہے، مرحوم کی بیوہ اور ان کی

کمسن لڑکی کو اس علمی اور خاندانی یادگار کو اپنے سے جدا کرنا کسی طرح پسند نہیں ہے، ان کے بڑے ایثار اور فراخ دلی کی بدولت اور مرحوم کے برادر نسبتی وہمشیر زادہ مفتی صاحب، حافظ عبد العظیم صاحب کی ان تھک محنت اور سارے مصارف کی بجائی کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے اب اس گنجِ علم سے استفادۂ عام آسان ہوگیا ہے،

کتابوں کے اقسام کتب خانہ سعیدیہ میں جو کتابیں جمع ہیں وہ تین قسم کی ہیں،

۱- ارکانِ خاندان کی تالیفات،

۲- ارکانِ خاندان کی نقل کردہ کتابیں،

۳- ارکانِ خاندان کی خریدکردہ کتابیں،

خاندانی تالیفات ۱- طغیانی میں کتابوں کا ذخیرہ تلف ہوجانے کے بعد قاضی محمود نے تالیفات کا سلسلہ بھی شروع کردیا، ان کے فتاویٰ کا مجموعہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، ان کے فرزند قاضی رضی الدین مرتضیٰ نے "تحفۃ الحقیر" نامی کتاب فن معانی وبیان میں مرتب کی ہے، اور خود ان کے ہاتھ سے ۹۹۰ھ میں لکھا ہوا نسخہ اس کتب خانہ میں موجود ہے،

بعد ازاں ہر نسل میں اربابِ خاندان نے جن میں خود مفتی محمد سعید خان مرحوم بھی شامل ہیں، عربی، فارسی، اردو اور دیگر السنہ میں حدیث، فقہ، سیرت، عقائد، کلام، تاریخ، اخلاق، ہیئت، تجوید، ادب، صرف ونحو، کتب سماوی وغیرہ مختلف علوم پر مسلسل کتابیں تالیف کی ہیں، ان کی مجموعی تعداد چار سو سے متجاوز ہے، بعض کتابیں تو طبع ہوگئی ہیں، لیکن بڑا حصہ غیر مطبوعہ ہے، اس قسم کی اکثر کتابوں کے مسودے یا اصلی نسخے یا نقلیں اس کتب خانہ میں محفوظ ہیں، تفصیل موجب تطویل ہے،

اکابر خاندان کی مہیا کردہ کتابیں ۲- اکابر خاندان کی نقل کردہ کتابیں،

خاندان کے اصحاب علم نے ۱۲ پشت سے کتابوں کے ہزارہا صفحے خود اپنے ہاتھ سے نقل کئے ہیں،

جہاں کہیں ان کو جانے کا موقع ملا وہاں انھوں نے کتابوں کی نقل میں اپنے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس نوعیت کی فی الوقت ۲۱۶ کتابیں کتب خانہ میں مخزون ہیں، ان کتابوں کی خود ناقلوں نے بعد نقل نسخہ منقول بہا سے مقابلہ کرکے تصحیح بھی کی ہے، فن واری تعداد ذیل میں درج کیجاتی ہے،

نمبر	فن	تعداد	نمبر	فن	تعداد
۱	تفسیر،	۴	۱۵	طب،	۱
۲	تجوید،	۱	۱۶	ادعیہ،	۵
۳	حدیث،	۳۶	۱۷	اخلاق،	۳
۴	اصولِ حدیث،	۱	۱۸	ادب،	۶
۵	سیرت،	۲۲	۱۹	بلاغت،	۲
۶	رجال،	۱	۲۰	عروض،	۲
۷	فقہ،	۹	۲۱	صرف،	۹
۸	فرائض،	۱	۲۲	نحو،	۱۴
۹	اصول فقہ،	۱	۲۳	لغت،	۲
۱۰	کلام،	۲۸	۲۴	تاریخ،	۵
۱۱	حکمت،	۱	۲۵	تذکرہ،	۴
۱۲	اصطرلاب،	۲	۲۶	مناقب،	۸
۱۳	ہیئت،	۵	۲۷	تصوف،	۱۴
۱۴	منطق،	۹	۲۸	متفرق (مثل رسم الخط وغیرہ)	۱۸

بعض بزرگوں کے نام مع ان کے مخطوطات کی تعداد کے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں،

۱- نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ (ابتدائی بارھویں صدی میں انتقال ہوا)، ۲۰ مخطوطات

۲- نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ المتوفی ۱۱۹۴ھ ۳۲ مخطوطات

۳- محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد المتوفی ۱۲۴۶ھ ۲۸ 〃

۴- صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث المتوفی ۱۲۸۰ھ ۴۴ 〃

۵- مفتی محمد سعید خاں بن قاضی بدر الدولہ المتوفی ۱۳۱۲ھ ۲۴ 〃

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی بے موقع نہیں کہ اکثر ارباب خاندان کو کوئی ناقص کتاب دستیاب ہوتی، تو اس کی تصحیح کر لیجاتی، اگر کتاب فہرست مضامین سے معرا ہوتی تو اکثر اس کی بھی تکمیل کر لیجاتی، اسی طرح سیاہی خوردہ صفحات کو از سر نو لکھ لینا، کرم خوردہ مقامات پر الفاظ کا تکملہ وغیرہ، غرض کتاب کو درست اور مکمل بنانے میں وہ سب امور عمل میں لائے جاتے جن کی ضرورت محسوس ہوتی،

اس وقت بزرگانِ خاندان کے چند مخطوطات کی مختصر تفصیل نامناسب نہ ہوگی،

۱- شرح قصیدہ بردہ تالیف علامہ محلی بخط احمد بن خلیل اللہ ۹۶۳ھ،

۲- ترجمہ فارسی چہل حدیث بخط خلیل اللہ بن عطاء اللہ بن احمد در ۹۸۴ھ،

۳- الکافیہ تالیف ابن الحاجب بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۵۳ھ،

۴- شرح الحکم العطائیہ، تالیف ابو عبد اللہ المالکی بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۹۶ھ،

۵- حکم العرفانیہ فی اقتباسات القرآنیہ تالیف شیخ علی متقی بخط محمد عبد اللہ بن نظام الدین احمد ۱۱۴۳ھ

۶- مناقب الامام الشافعی تالیف الرازی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۴۳ھ،

۷- لطائف الاعلام باشارات اہل الالہام تالیف عبد الرزاق القاشانی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۶۱ھ،

۸- عوارف المعارف تالیف شیخ شہاب الدین السہروردی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۶۱ھ

۹- الاذکار تالیف الامام النواوی، بخط ناصر الدین محمد بن نظام الدین احمد،

۱۰- الصحاح (فی اللغۃ) تالیف ابو نصر الجوہری بخط محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد ۱۲۳۲ھ،

۱۱- الشفا تالیف قاضی عیاض بخط صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث ۱۲۳۷ھ

۱۲- تلخیص الحبیر فی تخریج اخبار الرافعی الکبیر تالیف ابن حجر عسقلانی بخط عبد الوہاب مدار الامراء بن محمد غوث ۱۲۶۰ھ،

۱۳- الموطا (امام مالک) بروایت ابو مصعب بخط مفتی محمد سعید خان بن قاضی بدر الدولہ ۱۲۷۹ھ

۱۴- ادب المفرد تالیف امام بخاری بخط مفتی محمد سعید خان ۱۲۷۳ھ،

۱۵- عمل الیوم واللیلہ بروایت ابن السنی بخط غلام محمد شرف الدولہ بن عبد الوہاب، ۱۲۹۶ھ

ارباب خاندان نے جہاں کتابیں خود نقل کی ہیں، وہاں کاتبوں کو اجرت دے کر بکثرت کمیاب کتابوں کو نقل بھی کرایا ہے، مفتی محمد سعید خاں مرحوم نے تو اس کا خاص اہتمام کیا تھا، اپنی آمدنی کا بڑا حصہ وہ اس مد میں مستقل طور سے صرف کرتے رہتے تھے، اس قسم کی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ کتب خانہ سعیدیہ میں محفوظ ہے، اس قسم کی بعض کتابوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا،

۱- الجامع لاحکام القرآن تالیف ابو عبد اللہ القرطبی، ۴ جلدوں میں تا سورۂ عنکبوت بخط محمد قاسم علی حیدرآبادی ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۰۶ھ تک،

۲- التفسیر تالیف ابن حاتم پارہ ۸، ۹، ۱۰ تا آخر سورۃ الرعد بخط عبد الرحیم الکابلی در مدینہ منورہ ۱۳۱۰ھ

(اس کتاب کے چار ابتدائی اجزا مفتی محمد سعید خان کے برادر مولوی خلیل اللہ صاحب نے نقل کئے ہیں)

۳- الاسماء والصفات تالیف البیہقی ۱۲۹۸ھ،

۴- مسند امام احمد حنبل محمد قاسم علی حیدرآبادی اور ایک دوسرے صاحب کے قلم سے،

۵- الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ تالیف ابن حجر عسقلانی بخط محمد قاسم علی ۱۲۹۵ھ،

۶- شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح تالیف محمد بن عبد اللہ الطائی الجائی بخط محمد قاسم علی

۷ - علل الواردہ فی احادیث النبویہ تالیف الدارقطنی جلد ثالث وخامس سنہ ۱۳۰۹ھ،

۸ - تہذیب الکمال فی اسماء الرجال تالیف زکی الدین المزی مکمل،

۹ - احیاء العلوم تالیف الغزالی مکمل، بخط غلام محمد بن صبغۃ اللہ (عرف محمد صاحب کاتب) سنہ ۱۲۶۳ھ در دو جلد،

۱۰ - عقود الزبرجد علی مسند احمد تالیف السیوطی سنہ ۱۲۹۹ھ،

غرض اس طرح نقل وکتابت کے ذریعہ اہلِ خاندان نے علوم اسلامیہ کی مستند ترین کتابون کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس جمع کرلیا،

۳ - تیسری قسم ان کتابون کی ہے جو خرید کر فراہم کی گئی ہین، اہلِ خاندان نے کارآمد اور نایاب کتابےکے خرید کرنے مین بجد استطاعت، ہمیشہ سے توجہ کی ہے، مفتی محمد سعید خان مرحوم کو بھی اس جانب بہت توجہ تھی، اور ایسے مخطوطات جو ہر کتب خانہ کے لئے سرمایۂ امتیاز ہو سکتے ہیں، انھون نے بہت جمع کئے، شیخ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ سخاوی، شیخ عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم اور دیگر ماقبل ومابعد علماء وشیوخ وقت کی لکھی ہوئی یا ان کے پاس پڑھی ہوئی کتابین کتبخانہ مین مخزون ہین،

سب سے قدیم مخطوطہ جو کتب خانہ میں محفوظ ہے وہ تاریخ دمشق تالیف ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (ابن عساکر) المتوفی ۵۷۱ھ کا ایک حصہ ہے، جس کی کتابت سنہ ۵۶۰ھ میں عمل میں آئی، ذیل مین ہر صدی ہجری کے مخطوطات کا گوشوارہ درج کیا جاتا ہے،

چھٹی صدی ہجری	۲	مخطوطات،
ساتوین صدی ہجری	۱۱	مخطوطات،
آٹھوین صدی ہجری	۱۶	"
نوین صدی ہجری،	۳۱	"

دسوین صدی ہجری،	۴۵	مخطوطات
گیارہوین صدی ہجری،	۱۱۹	"

تین مابعد صدیون کی کتابیں تو بہت ہین، ان کے کسی گوشوارہ کے بیان کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہین ہوتی،

واضح ہو کہ ان صدیوں میں لکھی ہوئی اور بھی کتابین موجود ہیں، لیکن ان پر سنہ کتابت درج نہیں ہے، لیکن ان کی تعداد اس قدر ہے کہ ہر صدی سے دوسری صدی کے مخطوطات میں جو تناسب ہے اسی اعتبار سے ہر صدی کے مخطوطات میں دو دو چار چار مخطوطات کا اضافہ ہو جائیگا،

چند نوادر | اس موقع پر بعض مخطوطات کا مختصر حال قلم بند کرنا بے موقع نہ ہوگا،

۱ - تاریخ مدینہ دمشق یہ کتاب ابن عساکر المتوفی سنہ ۵۷۱ھ کی تالیف ہے، یہ نسخہ ان کے فرزند قاسم نے سنہ ۵۶۰ھ مین تحریر کیا ہے، اور خود اپنے والد کے پاس اس کی قرأت کی ہے، اس قرأت مین خود قاسم کے فرزند ابوالطاہر محمد بھی شریک تھے، گویا دادا کے پاس بیٹے اور پوتے نے قرأت ختم کی ہے، علاوہ ازین کتاب پر جو تحریرات ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ سنہ ۵۶۵ھ مین خود ابن عساکر نے جامع مسجد دمشق مین ایک گروہ کثیر کو اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے، اس جماعت میں جو اصحاب شریک تھے، ان کی نام بہ نام تفصیل لکھی گئی ہے،

دوسری دو اور تحریروں سے جو کتاب پر درج ہیں ثابت ہوتا ہے کہ ابو محمد القاسم نے سنہ ۵۸۴ھ اور سنہ ۵۹۰ھ میں بہ مقام جامع مسجد دمشق دوسری دو اور جماعتون کو درس دیا ہے، ان دونون جماعتون مین جو اصحاب شامل تھے، ان کے اسماء بھی تفصیل سے لکھے ہیں، اس کے علاوہ مابعد صدیوں میں دوسرے شیوخ نے بھی اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے، اس کی تفصیل موجبِ تطویل ہوگی،

افسوس ہے کہ نسخہ مکمل موجود نہین ہے، ۴۲ وین جزو سے شروع ہو کر ۱۵۰ وین جزو پر کتبخانہ

کا یہ نسخہ ختم ہوگیا ہے،

۲۔ اسماء المبہمہ فی انباء المحکمہ تالیف الخطیب البغدادی المتوفی سنہ ۴۱۳ھ کتب خانہ میں جو نسخہ مخزون ہے وہ سنہ ۵۸۶ھ میں نقل ہوا ہے، ابتدا میں چند اوراق اور درمیان میں ایک ورق موجود نہیں تھا، قاضی بدرالدولہ نے اس کی تکمیل کرلی ہے،

۳۔ حرز الامانی ووجہ التہانی تالیف الشاطبی المتوفی سنہ ۵۹۰ھ (تجوید) اس کتاب کا جو نسخہ کتب خانہ میں مخزون ہے اس پر کوئی ترقیمہ درج نہیں ہے، البتہ یہ واضح ہے کہ یہ نسخہ سنہ ۶۴۳ھ سے قبل لکھا گیا ہے کیونکہ شہاب الدین ابو العباس احمد البعلبکی نے علامہ السخاوی کے پاس اس نسخہ کی قرأت سنہ ۶۴۳ھ میں ختم کی ہے، ختم کتابت اور اجازت کی عبارت خود علامہ السخاوی نے اپنے قلم سے لکھی ہے، علامۂ مذکور نے اس نسخہ کے ذریعہ دو مرتبہ اور درس دیا ہے، اور اجازت نامہ پر آخر میں اپنے دستخط کئے ہیں، علاوہ ازیں شہاب الدین ابو العباس نے بھی دو مرتبہ درس دیا ہے، اور عثمان بن نور الدین علی بن الدسوقی نے ابراہیم ابن محمد بن العماد المقری الشافعی کے پاس علحدہ درس لیا ہے، جس کی کوئی تاریخ درج نہیں ہے،

نسخہ خوشخط اور دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے،

۴۔ تفسیر قرآن مجید تالیف ابوبکر غالب بن عطیہ، کتب خانہ کا یہ نسخہ جلد اول پر مشتمل ہے جو ابتدائے سورۂ آل عمران کے اختتام تک شامل ہے، یہ نسخہ دبیز کاغذ پر بمقام حلب سنہ ۷۲۵ھ میں لکھا گیا ہے، کاتب نے اپنا نام ابن عبداللہ الشجاعی لکھا ہے،

سنہ ۷۷۲ میں بمقام حلب اس نسخہ کا جو شرعی عمل میں آیا اس کا ایک نوٹ مرقوم ہے، مشتری کا نام علاء الدین بن یحیی القفاص ہے اور بائع نے اپنا نام شہاب الدین ابراہیم بن بدر الدین الناسخ لکھا ہے،

۵۔ تسدید القوس فی تاریخ احادیث مسند الفردوس تالیف ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ یہ نسخہ خود مؤلف کا مسودہ ہے جو سنہ ۸۳۹ھ میں تکمیل پایا ہے، البتہ پہلا صفحہ جدید الخط ہے،

خاندان میں کتابیں ایک صاحب سے دوسرے صاحب پر جو منتقل ہوتی رہی ہیں، اس کی مثال میں اس کتاب پر تملک کی جو عبارتیں درج ہیں، ان کا نقل کرنا مناسب ہوگا،

۱۔ مما من اللہ بہ علی عبدہ عبداللہ (صدارت خان) بن صبغۃ اللہ (بدرالدولہ) سنہ ۱۲۶۲ھ،

۲۔ جناب حضرت والد (بدرالدولہ) از نزد صدارت خان خرید فرمودند بعد در ترکہ حضرت مغفور بادشان رسیدہ در خریدی این جانب در آمد (مفتی) محمد سعید خان،

۶۔ شرح المواقف، المواقف علم کلام کی معیاری کتاب ہے، قاضی عضد الدین نے سنہ ۷۶۰ھ میں یہ کتاب تالیف کی ہے، سید شریف الجرجانی نے سنہ ۸۰۷ھ میں اس پر شرح لکھی، کتب خانہ کا یہ نسخہ سنہ ۸۵۶ھ میں بمقام بلدۂ بخارا لکھا گیا ہے، نسخہ بہت صاف اور بخط خفی لکھا گیا ہے، محشی بھی ہے، کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں، وہ محو کردی گئی ہیں،

۷۔ گلستان تالیف شیخ سعدی۔

کتب خانہ کا یہ مخطوطہ اپنے خط، کاغذ، نقش و نگار، تصاویر اور جلد کے اعتبار سے ہر طرح دل نواز اور باصرہ افروز ہے، اور مشرقی ذوقِ حسن کاری کا ایک بہت ہی دل آویزشہ کار ہے، افسوس ہے کہ کاتب کا نام محو کردیا گیا ہے، لیکن ترقیمہ کی جو عبارت اب بھی باقی ہے وہ یہ ہے،

"از کتاب خانۂ نواب مستطاب خانے صورت اتمام یافت، فی شہور سنہ ۹۸۶ھ علی ید العبد المذنب . . . . . . ابن حسین الشریف الحسینی المشہدی"

۸۔ شمائل تالیف الترمذی،

شمائل ترمذی کا یہ نسخہ وہ ہے جس کے متعلق قاضی ارتضا علی خان نے کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ "المکتوب بخط الفاضل المحقق . . . . . . الشیخ عبدالحق دہلوی" کتاب کے ترقیمہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، البتہ یہ ثابت ہے کہ سنہ ۹۸۲ھ میں اس کی کتابت عمل میں آئی، نیز دوسرے صفحہ پر جو عبارتیں مرقوم ہیں

ان سے یہ ضرور ثابت ہے کہ شیخ نے اس نسخہ کے ذریعہ دس مرتبہ درس دیا ہے، پہلا درس ۱۰۰۲ھ مین اخیر درس جو تھے ان کے متعلق خود اصلی عبارت ملاحظہ ہو . . . . وقد اجزت روایتہ . .

. . . للولدین العزیزین الصالحین ابی محمد تقی الدین عبدالغنی وابی المجد جمال الدین نور الحق"۔

آخری درس ۱۰۴۶ھ میں دیا گیا ہے،

کتاب شروع سے آخر تک محشی ہے،

۹۔ شرح مسلم الثبوت، تالیف ملک العلما بحر العلوم مولانا عبدالعلی،

اس نسخہ پر مفتی محمد سعید خان نے لکھا ہے کہ یہ وہ نسخہ ہے جو مولانا کے داماد مولوی علاء الدین نے خود مولانا کے پاس پڑھا تھا، اور اپنے قلم سے اس پر حواشی چڑھائے تھے، نیز یہ لکھا ہے کہ خود مولانا بحر العلوم نے بھی اکثر جگہ اپنے ہاتھ سے حواشی لکھے ہین،

نسخہ کی ابتدا مین مولوی جمال الدین، بنبیسہ مولانا بحر العلوم نے لکھا ہے، کہ

"از متروکۂ والد ماجد حضرت ملک العلما، مولانا علاء الدین احمد صاحب . . . . . . است"

اس عبارت کے نیچے اپنی مہر ثبت کی ہے، نسخہ کامل اور دو جلدون میں ہے، بعد میں مفتی صاحب نے یہ نسخہ خرید لیا، چنانچہ انھون نے لکھا ہے کہ

"قد جاء ھذا الکتاب بید الفقیر محمد سعید بالشراء الشرعی"۔

۱۰۔ صفات العاشقین۔ (فارسی نظم) تالیف ہلالی،

کتاب کا یہ نسخہ بھی خط، کاغذ، تصاویر اور نقش کے اعتبار سے مشرقی حسن کاری کا ایک دلپسند نمونہ ہے، ترقیمہ میں ناقل نے اپنا نام نہیں لکھا ہے، صرف سنہ کتابت لکھدیا ہے جو ۹۸۶ھ ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے:۔

"بقیمت یک ہزار و نہ صد و چہل و پنج روپیہ بمعرفت مرزا فرخ بیگ قاقشالی در تاریخ بست و پنج

محرم الحرام ۲۵ جلوس والا خریدہ داخل کتاب خانہ نمودہ شد"

کتابون کی مجموعی تعداد کتب خانہ سعیدیہ میں جو کتابیں فی الوقت موجود ہیں وہ زیادہ تر حدیث اور فقہ کی ہین، دونون علوم کی کتابون کی مجموعی تعداد ۱۰۷۴ ہے، حدیث کی کتابون کا ذخیرہ تو بہت ہی اہم ہے، حدیث، اصول حدیث، سیرت اور رجال کی کتابون کی مجموعی تعداد ۵۷۳ ہے، ان مین ۱۴۱ مخطوطات ہین، ان علوم کی عربی کتابون کی تعداد ۵۰۲ ہے ان میں ۴۳۴ مخطوطات ہیں، باقی علوم کے متعلق فی الوقت اس قسم کی صراحت موجب تطویل ہو گی، مختصراً یہ کہ کتب خانہ میں جو کتابین مخزون ہین، ان کی مجموعی تعداد ۳۰۵۲ ہے ان مین تقریباً ۸۰ فی صدی عربی ہین، مخطوطات کی تعداد ۱۹۷۳ ہے،

کتب خانہ کی فن وار فہرست مرتب کر لی گئی ہے، دوسری نوعیت کی فہرستین بھی زیر ترتیب ہین[1]،

---

[1] کتب خانہ سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت ذیل کے پتہ پر کی جا سکتی ہے، مولوی عبدالعظیم صاحب کتب خانہ سعیدیہ جام باغ ترپ بازار حیدرآباد دکن،

تاریخِ فرشتہ کا عہدِ تصنیف

از جناب سید احمد اللہ صاحب قادری حیدرآباد دکن،

تغلق نامہ اور اس کے نقاد کے عنوان سے جناب محمد باقر صاحب نسیم رضوانی ام اے، پنجاب یونیورسٹی کا مضمون معارف (نومبر ۱۹۲۵ء) میں ہماری نظر سے گذرا، اصل مضمون سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف اس امر کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں کہ تاریخِ فرشتہ کا سنہ تصنیف کیا ہے، ؟

آیا وہ ۱۰۱۵ھ میں مکمل ہوئی، یا

اسکے بعد بھی اس کا سلسلہ تالیف جاری رہا،

محمد باقر صاحب نسیم نے تحریر کیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں لکھی گئی، مولوی مقبول احمد صمدنی نے حیاتِ جلیل سے مستشرق موہل (M. J. MOHL) کے حوالہ سے اسکی تکمیل و نظرِ ثانی کا سال ۱۰۳۱ھ تک متعین کیا ہے، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ محمد باقر صاحب نسیم کے مضمون کا وہ حصہ جو فرشتہ کے عہدِ تصنیف سے متعلق ہے، ذیل میں درج کیا جائے،

چونکہ تاریخ فرشتہ (کم ازکم اسکے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی تھی، اسلئے وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے تھے، حیاتی کاشی کا لکھا ہوا کلام نہین ہوسکتا، کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا، وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے"

سید ہاشمی صاحب کو گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی تاریخ تالیف کا پتہ کہاں سے چلا ہے، اُسے بھی فرشتہ کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمایئے:۔

"پس در جمع آوردنِ کتب ہند ساعی گشتم واز اطراف واکنافِ ممالک بسیاری از نسخ بدست آوردم و چون ازان میان نسخہ کہ جامع حالات تمامی پادشاہانِ ہندوستان باشد بنظر این ذرہ حقیر در نیامد مگر تاریخ نظام الدین احمد بخشی و آنہم از تحقیقات و معلوماتِ بسیار کہ علم فقیر بدان احاطہ داشت خالی و تہی بود، ہر آئینہ ذوق تالیف و شوق تصنیف بیش از بیش شدہ در مطالعۂ کتب متقدمین با قصی الغایۃ کوشید و خلاصۂ آن کنوز را کہ مانند لآلی منثورہ متفرق بود، بہ ترتیب خاص در یک سلک کشیدہ برسم یادگاری درین اسرار کہ موسوم بہ گلشن ابراہیمیست درج نمودہ، دیباچہ آن مجموعہ را کہ از اقلیم تحقیق آمدہ بود و طیلسان تصدیق بر دوش گرفتہ در سنہ خمس و عشر والف بنام نامی پادشاہ عدالت پناہ معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہ فروغ خاندان جہان پناہی انتخاب دیوان قضا و قدر مقدمہ جنود فتح و ظفر موشح و مزین ساختہ تحفہ مجلس ہمایون گردانید"

یہی نہیں، بلکہ فرشتہ کتاب کے آخری سے پہلے مقالہ مین لکھتا ہے،:۔

"تا زمانِ تحریر این کتاب کہ سنہ خمس و عشر والف است ملیباریان از کشتہ شدن شتابیانی در رسید"

یہ فرشتہ کے اپنے بیانات گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف کے متعلق ہین، جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ تاریخ فرشتہ (کم ازکم اس کے ابتدائی مقالے) ضرور ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوچکی تھی، باقی رہا موہل کا یہ خیال کہ فرشتہ نے ۱۰۳۱ھ تک کتاب کی تکمیل و نظر ثانی جاری رکھی تھی، تو یہ فقط خیال ہی خیال ہے حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہین،......

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف ۱۰۱۵ھ ہی ہے، تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے، کہ حیاتی کاشی کے ۱۰۱۹ھ میں لکھے ہوئے شعر فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں اپنی تاریخ میں نقل نہیں کرسکتا، بلکہ یہ شعر خسرو دہلوی کے ہی ہین، اور چونکہ اب یہ شعر دستیاب شدہ تغلق نامہ میں موجود ہیں اسلئے یہ تغلق نامہ بھی امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے،

محمد باقر صاحب نے طے کر دیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ سنہ ۱۰۱۵ھ میں تصنیف ہوئی، اس کی تکمیل و اضافہ اور نظر ثانی کے واقعات کو وہ خیال خام تصور کرتے ہیں،

مولوی مقبول احمد صمدنی نے اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سال سنہ ۱۰۳۱ھ بیان فرمایا ہے، تاہم اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سنہ بجائے سنہ ۱۰۳۱ھ کے سنہ ۱۰۳۳ھ قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ قطعی نہیں ہے، ممکن ہے کہ سنہ ۱۰۳۳ھ کے بعد بھی فرشتہ اسکی تالیف میں مصروف رہا ہو، جس سے ہم لاعلم ہوں، تاریخ فرشتہ میں اکثر و بیشتر مقامات ایسے پائے جاتے ہیں، جن کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم محمد قاسم سنہ ۱۰۳۳ھ تک تاریخ فرشتہ کی ترمیم و ترقیم اور حک و اضافہ میں مصروف رہا، ذیل میں اکثر ایسے مقامات بجنسہ نقل کئے جاتے ہیں، جن سے محمد باقر صاحب نسیم کے بیان کی مصنف فرشتہ کی تحریرات سے خود بخود تردید ہو جاتی ہے، یہ ایسا دلچسپ مسئلہ ہے کہ ارباب تاریخ کو تاریخ فرشتہ کے عہد تصنیف کی نسبت آیندہ مغالطہ نہ ہوگا!

۱۔ سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے حالات میں:-

"تا حال کہ سنہ ست عشر و الف [۱۰۱۶ھ] ست، بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایات ایشان بہامنہ مرجوع است"

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن ص ۵۲۷، نولکشور ایڈیشن ص ۲۸۶)

۲۔ سلطان محمد شاہ بہمنی کے تذکرے اور سکہ جات ہنود کے سلسلے میں:-

"تا کنون کہ تاریخ ہجری بہ یک ہزار و شانزدہ [۱۰۱۶ھ] رسیدہ ہمان زر کفار در میان مسلمانان شائع و رائج ست"

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن اڈیشن ص ۵۳۰، نولکشور ایڈیشن ص ۲۸۳)

۳۔ سلطان مرتضیٰ نظام شاہ بن شاہ علی بن برہان نظام شاہ اول کے حالات میں:-

"در اوائل سنہ ست و عشر و الف [۱۰۱۶ھ] بفرمودہ عادل شاہ با نظام شاہ ابواب ملایمت

مفتوح داشتہ"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۳۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۲)

۴۔ نظام الملک بحری کے بیان میں:-

"تا حال کہ تاریخ ہجری بہ ہزار و ہیجدہ [۱۰۱۸ھ] رسیدہ در مملکت دکن پادشاہ و گدا چتر بر سر می گیرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۸۹، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۹۶)

۵۔ سلطان علی برید شاہ کے حالات میں:-

"امیر برید نام شخصے کہ او از اولاد آن خانوادہ بود در سنہ ثمان و عشر و الف [۱۰۱۸ھ] ست در ان بلدہ کام روا بودہ، چراغ برید شاہیہ روشن دارد"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۴۸۹، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۷۷)

۶۔ شہنشاہ اکبر کی فتوحات مالوہ کے ضمن میں:-

"از تاریخ ثمان و سبعین و تسعمائۃ تا این زمان کہ ثمان و عشر و الف [۱۰۱۸] است مملکت مالوہ در حوزہ دیوان پادشاہ دہلی شمردہ می شود"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۱۴، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۷۵)

۷۔ حکام ملیبار کے سلسلہ میں:-

"در سنہ تسع و عشر و الف [۱۰۱۹] نور الدین محمد جہانگیر پادشاہ ابن اکبر پادشاہ فرنگیان را با فرنگیان پرتگال در معتقدات مخالفت دارند و تشنہ خون یکدیگرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۰۹، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۰۳)

۸۔ سلطان حسین نظام شاہ کے اذکار میں:-

"این زمان کہ تاریخ ہجری الف و عشرین [۱۰۲۰] است، آثار معموری در آن جا

مرئی نمی گردد۔"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۵۲، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۹)

۹۔ خواجہ محمود گاوان کی شہادت کے سلسلہ میں:-

"...... تا زمان تحریر این حکایت کہ سنہ ثلاث وعشرین والف باشد، ہنوز آن عمارت و مسجد و چار طاق بازار بزرگ باقیست۔"

(تاریخ فرشتہ جلد اول، الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۵۰)

۱۰۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کے ضمن میں:-

"تا این زمان کہ تاریخ ہجری ثلث وعشرین والف ست بتائید آسمانی صفت دوام وبقا دارد۔"

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۷۳)

۱۱۔ بہادر خان فاروقی کے اذکار میں:-

"مؤلف این کتاب در سنہ ثلث وعشرین والف ہمراہ خواجہ حسن تربتی کہ دیوان شاہزادہ دانیال بود، بالاے قلعہ رفتہ تفرج نمودم۔"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۰)

۱۲۔ بہادر خان فاروقی کے بیان میں:-

"بہادر خان را اکبر پادشاہ بدار السلطنت لاہور بردہ .... تا آن کہ بعد فرخندہ حضرت نور الدین پادشاہ ولد اکبر پادشاہ در سنہ ثلث وثلثین والف در دار الخلافہ آگرہ باجل موعود در گذشت۔"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۱)

کوبے میں موتی مسجد اور اسکی تقریب افتتاح

از

جناب نور الحسن صاحب برلاس معلم مدرسۃ السنۃ غیر توکیو (جاپان)

مسلمانان ہند مقیم جاپان مستحق صد ستایش و اجر اخروی ہیں کہ ان کے دینی اخلاص سے جاپان مین ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر اختتام کو پہنچی، جو وہان مسلمانون کے لئے ایک مذہبی مرکز کے کام میں بھی آئے گی، جناب برلاس معلم مدرسۃ السنۃ غیر توکیو نے اس مسجد اور اس کے افتتاح کی رسم پر ذیل کا مقالہ بھیجا ہے، جو شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

"سب اڈیٹر"

مسلمانان ہند نے کوبے میں مسجد تعمیر کر کے اہل جاپان کے آگے فن تعمیر کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے، جاپانی فن تعمیر میں خط مستقیم کا عمل ہوتا ہے، زمانۂ قدیم مین عمارت کے کسی حصے میں کوئی خم نظر نہین آتا تھا، خمیدہ خط ملک چین سے جاپان مین آیا، مگر یہ صرف اولتیوں میں گم ہو کر رہ گیا، اب جاپانی عمارتون کی خاص پہچان یہ ہے کہ اولتیان اوپر کو مڑی ہوئی نظر آتی ہین، گنبد کی گولائی عیسائی گرجاؤن کے ساتھ جاپان مین داخل ہوئی، مگر یہ کچھ زیادہ جاذب نظر ثابت نہ ہوئی، یہان گرجاؤں میں اگر کہیں گنبد ہوتے ہین، تو وہ مخروطی شکل کے ہوتے ہیں، جو زیادہ خوبصورت معلوم نہین ہوتے، ترکون نے جس وضع کا گنبد ایجاد کیا، اور مغلون نے اسے جس پایۂ تکمیل کو پہنچایا وہ جاپان میں نظر نہین آتا، یہ سہرا مسلمانون کے سر ہے کہ انھون نے مسجد تعمیر کر کے جاپان میں ایک نئے فن تعمیر کا تعارف کرایا،

کوبے کی مسجد اسی سال تیار ہوئی ہے، پہاڑی کی ڈھلوان پر واقع ہے، اور دور دور سے نظر آتی ہے،

اس کے بلند مینار اور گول گنبد ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہین، ہندوستان مین ہم کو اپنے فن تعمیر کی خوبیون کا احساس نہین ہوتا، یہان وہی نمونہ دیکھ کر اس کی دل سے قدر ہوتی ہے، یہان بڑی بڑی فلقعہ عمارتین موجود ہین، جو آسمان سے باتین کرتی ہین، پچھلے تیس سال مین نو دس منزلہ عمارتین بہت سی بن گئی ہین، مارونوچی بلڈنگ جاپان بھر مین سب سے بڑی عمارت ہے، مگر یہ سیمنٹ کا ایک ڈھیما معلوم ہوتا ہے، جس مین کوئی نزاکت نظر نہین آتی، مغربی طرز کی عمارتون کے آگے کوبے کی مسجد ایک نگینہ معلوم ہوتی ہے، جو تمام جاپان مین ممتاز ہے،

تمام مسجد مسقف ہے، عمارت سہ منزلہ ہے، اور کچھ ایسی بڑی نہیں جو اپنی عظمت سے دلون کو مرعوب کر سکے، نیچے کی منزل مین کوئی پونے دو سو آدمی نماز پڑھ سکتے ہین، اندر اتنی گنجایش نہیں ہے جتنی باہر سے بڑی معلوم ہوتی ہے، اور یہ امر خود فن تعمیر کی ایک خوبی ہے، باہر سے بہت خوبصورت نظر آتی ہے، آگے کونون پر دو مینار ہین، جن کی چوٹی پر برجیان بنی ہوئی ہین بیچ مین ایک بڑا گنبد ہے، اور پیچھے دو چھوٹی سی برجیان، مینارون کی نزاکت، برجیون کی لطافت اور گنبد کی گولائی دلون کو مسخر کرتی ہے، عمارت پر مردنی پیدا کرنے والے سیمنٹ کے مٹیالے رنگ کے بجائے صندلی رنگ ہے، جو دل مین فرحت پیدا کرتا ہے، اس پر سفید گنبد اور برجیان سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہین، مینار کی جڑ سے چوٹی کی طرف نظر جاتی ہے تو بیچ مین کٹھرے نظر آتے ہین، جو یکسانی کو رفع کرتے ہین، تمام اجزا اس قدر متناسب ہین کہ بڑا پیارا منظر پیدا کرتے ہین، اندر سفید پلاسٹر ہے، مگر اس سے آنکھون مین چکاچوندھ پیدا نہین ہوتی، دیوارون مین شربتی رنگ کے ضخیم شیشے کی کھڑکیان ہین، جو روشنی کو مدھم کر دیتی ہین، اس سے ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، آرایش کی عدم موجودگی نہایت دلفریب سادگی پیش نظر کرتی ہے، دیوارین بالکل صاف ہین کہین کہین برقی دیوارگیریان لگی ہوئی ہین، اور بیچ مین جھاڑ آویزان ہے، آرایش کا صرف ایک عنصر ہے، یہ محراب ہے جو سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اور بہت خوبصورت اور نازک تراشی گئی ہے،

منبر بھی سنگ مرمر کا ہے، مگر یہ بالکل سادہ ہے، محراب کے اوپر سنہری حروف مین "اللّٰہ" اور اس کے نیچے کلمہ لکھا ہوا ہے، چھت بہت بلند ہے، جس سے ہال کی شان نکل آتی ہے،

مسجد کی عمارت فی الجملہ ایسی دلفریب ہے کہ شہر کوبے کے لئے زینت بن گئی ہے، بلکہ تمام جاپان مین نمایان درجہ رکھتی ہے، یہان اس کی وہی حیثیت ہے جو آگرے کے قلعے مین موتی مسجد کی ہے، اسی بنا پر یہ اپنی نزاکت اور خوبصورتی کے لحاظ سے موتی مسجد کہلانے کی مستحق ہے،

مسجد کی تعمیر مین بہت دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے، تمام ضروریات کا انتظام ہے، پھاٹک شمالی جانب ہے، اسی کی مناسبت سے مینار شمالی جانب اور برجیان جنوبی جانب ہین، شاید اسلامی نقطۂ نظر سے اسے نقص کہا جائے مگر یہ کسی طرح درست نہین، کیونکہ اولاً عمارت کی خوبی کے آگے اس کا کسی کو احساس بھی نہین ہوتا، پھر اس سے کوئی ہرج بھی نہین، بلکہ قبلہ قائم کرنے مین مینار پرستی کی اہمیت نظر انداز ہو جاتی ہے، یہ صورت قطع زمین کی وجہ سے پیش آئی ورنہ رخ بدل کر تعمیر کرنے مین خود عمارت کی موزونیت مین نقص واقع ہو جاتا، احاطے مین مسجد کے تین جانب خالی جگہ پڑی ہوئی ہے، مگر اتنی گنجایش نہین کہ باغچہ لگایا جا سکے، سامنے کے رخ سرو کے درخت لگے ہوئے ہین، جو عمارت کی خوبی کو دوبالا کر دیتے ہین، اسی رخ شاندار دروازہ ہے، ڈیوڑھی مین جوتے اتارنے کا انتظام ہے، اور ان کے لئے ایک خانے دار الماری رکھی ہوئی ہے، فرش پر چلنے کے لئے کپڑے کے سلیپر ہین، پہلی منزل مین ایک مربع ہال ہے، اور اس کے آگے دالان جس مین دو صفین کھڑی ہو سکتی ہین، دوسری منزل مین ہال کے اوپر جگہ خالی ہے، جس سے چھت بلند ہو جاتی ہے، اور دالان کے اوپر گیلری بنی ہوئی ہے، جہان عورتین نماز پڑھتی ہین، تیسری منزل مین بہت وسیع ہال ہے، یہان مصلے کی جگہ چھت مین بڑا سوراخ ہے کہ قرأت کی آواز اوپر پہنچ سکے، تینوں منزلوں مین چٹائی کا فرش ہے، آیندہ روپیہ فراہم ہونے پر پہلی اور دوسری منزلون مین دری کی جانمازین بچھانے کا ارادہ ہے، ابھی کوبے مین اتنے مسلمان نہین ہین کہ تیسری منزل

میں جانمازین بچھانے کی ضرورت ہو، یہان میز اور کرسی کا فرش لگانے کا ارادہ ہے، کہ یہ کمرہ جلسہ گاہ کے طور پر کام دے سکے، پہلی منزل کے نیچے تہ خانہ ہے، یہان لمبی لمبی میزین لگا کر کھانے کا کمرہ بنانے کا ارادہ ہے، فی الوقت فرنیچر سے بالکل معرا ہے، چارون منزلون میں جاڑے مین کمرے گرم رکھنے کا انتظام ہے، دونوں میناروں کے اندر سیڑھیان بنی ہوئی ہین، اوپر سے بندرگاہ کا منظر دور تک نظر آتا ہے، آجکل مغربی مینار پر اذان دیجاتی ہے، گنبد کے گرد برقی قمقمون کا ایک حلقہ بنا ہوا ہے، ایسے ہی حلقے میناروں کے گرد بنے ہوئے ہین، میناروں اور گنبد کے کلس پر نیلے رنگ کی روشنی کے ہلال لگے ہوئے ہین، خاص خاص موقعوں پر روشنی کیجاتی ہے، تو رات کو دور سے گنبد اور مینار روشن نظر آتے ہین، اور ہلال چمکتے دکھائی دیتے ہیں، ہر جمعرات کی شب کو بھی چراغان کیا جاتا ہے،

مسجد کے جنوبی جانب ایک سہ منزلہ عمارت تعمیر کیگئی ہے، یہ مسجد سے بالکل الگ ہے، مگر مسجد کی پہلی اور دوسری منزل سے اس میں آمد و رفت کا راستہ ہے، اس عمارت میں بہت سے کمرے ہین، پہلی منزل میں ایک کمرہ جاروب کشون کی قیام گاہ ہے، باقی کمرے نمازیوں کی ضروریات کے ہیں، جنمین لباس خانہ، وضوخانہ، پیشاب خانہ، پاخانہ، غسلخانہ اور باورچیخانہ شامل ہیں، غسلخانے میں گرم پانی کا جاپانی ٹب ہے، باورچیخانے کا دروازہ تہ خانے کے مقابل ہے کہ کھانا لیجانے میں آسانی ہو، دوسری منزل میں ایک کمرہ مسجد کمیٹی کے دفتر کے لئے مخصوص ہے، باقی کمرون میں مدرسہ ہے، جس میں میز کرسی کا فرنیچر ہے، اس میں تاتاری لڑکے ابتدائی مدارس کی تعلیم پاتے ہین، پیش امام کے ساتھ ایک تاتاری لڑکی اس میں پڑھاتی ہے، جو انگریزی خوب بولتی ہے، تیسری منزل میں پیش امام اور مؤذن کے لئے الگ الگ کمرے ہیں، ان کا باورچیخانہ وغیرہ بھی اسی منزل پر ہے، ان کے علاوہ ایک دو کمرے خالی پڑے ہیں، پیش امام کے اور مدرسے کے کمرون کے علاوہ کسی کمرے میں فرنیچر نہیں ہے،

اس قدر ضروریات فراہم کرنے کے باوجود مجھے ایک کمی نظر آتی ہے، ضرورت ہے کہ مسجد کے متعلق

ایک کتب خانہ اور دار المطالعہ ہو جہان نہ صرف مسلمان اپنی علمی پیاس بجھا سکین، بلکہ دیگر اصحاب بھی اسلام کی معلومات حاصل کر سکین،

مسجد کے خدمتگذارون مین کئی اقوام کے لوگ شامل ہین، ٹرسٹیون کے بورڈ اور انتظامی بورڈ میں ہندوستانی اور تاتاری شامل ہین، پیش امام تاتاری ہین، مؤذن مصری ہین، جاروب کش دو جاپانی ہین، ایک مرد اور ایک عورت،

مدرسے کا صرفہ تاتاریون کے ذمہ ہے، البتہ مکان مفت ہے، اور پیش امام کو مسجد سے تنخواہ ملتی ہے، کرایہ مکان کی معافی اور پیش امام کی خدمات گویا تاتاری مدرسے پر مسجد کی عنایت ہے، تاتاری اس عنایت کے مستحق بھی ہین، کیونکہ اُن کی مالی حالت ہندوستانیون کے مقابلے کی نہین،

مسجد کی تعمیر کا خیال اٹھانے کا سہرا مسٹر بوچیا کے سر ہے، انھون نے یہ تجویز مسلمانون کے سامنے پیش کی، اور جناب احمد صاحب مرحوم کو ساتھ ملا کر کئی برس تک استقلال سے چندہ جمع کرتے رہے، ان کی سرگرمی دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے سرپرستی فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ ان کی مالی امداد شامل حال نہ ہوتی، تو ایسی شاندار مسجد ظہور پذیر نہ ہو سکتی، مسجد مین چھتر ہزار ین کی لاگت آئی ہے، اس مین جناب فیروز الدین صاحب کا چندہ انتالیس ہزار ین ہے، یعنی نصف سے زیادہ رقم ان کا عطیہ ہے، کوبے کی دیگر مسلمان کوٹھیون نے معقول امداد دی ہے، رنگون، کلکتہ اور بمبئی کے تجار سے بھی بہت چندہ وصول ہوا ہے، کچھ رقم کوبے کے تاتاریون نے بھی دی ہے، اور انھون نے اپنے مقدور بھر امداد کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ تجار نے مسلمانون کی قدیم روایت کو زندہ کیا ہے، دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمان تاجرون کے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہے، جاپان میں بھی انہی نے پہلا قدم اٹھایا ہے،

اسی رقم سے تعمیر مسجد کے ساتھ ساتھ اس کے اخراجات کے لئے کچھ جائداد کوبے مین خریدی گئی ہے، اس سے اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ ٹیکس ادا کرنے کے بعد ایک سو ین ماہوار بچ رہتے ہین، اگر یہ رقم مسجد کے

خرچ کے لئے کافی نہین، اس ضرورت کو دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے ایک سال تک ایک سو ین ماہوار دینے کا وعدہ کیا ہے، مسجد کا ماہوار صرفہ ڈیڑھ سو اور دو سو ین کے درمیان ہے،

مسجد کا سنگ بنیاد نومبر ۳۴ء میں رکھا گیا، اس تقریب مین دیگر معززین کے علاوہ سفیر افغانستان بھی تشریف لائے تھے، مسجد میں پہلی نماز بتاریخ ۲ر اگست ۳۵ء بروز جمعہ ادا ہوئی اور تقریب افتتاح بتاریخ ۱۱ر اکتوبر ۳۵ء بروز جمعہ عمل میں آئی، تقریب افتتاح کی تیاریان کئی مہینے سے ہو رہی تھیں، اسی سلسلے مین مسجد کمیٹی نے ایک بہت مفید تجویز منظور کی، کہ جلسۂ افتتاح میں اسلام کے متعلق ایک پمفلٹ تقسیم کیا جائے، جس کے لئے مقتدر مسلمانوں سے مضامین لکھوائے جائیں، چنانچہ پچاس صفحے کی ایک خوبصورت مجلد کتاب چکنے کاغذ پر انگریزی میں طبع کرا کے یادگار کے طور پر جلسے میں تقسیم کی گئی جس میں خاکسار کا بھی ایک مختصر مضمون اخوت اسلامی پر شامل ہے، یہ کتاب جاپانی کتب خانون اور دیگر ادارون میں بھیجی جارہی ہے، دیگر ممالک کے کتب خانون میں بھی بھیجنے کا ارادہ ہے،

افتتاحی جلسے کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا، آٹھ سو دعوتی رقعے روانہ کئے گئے تھے، مدعوین میں جاپانی گورنمنٹ کے وزراء و اعلیٰ عہدہ دار، کئی سلطنتوں کے سفرا جن میں ترکی، ایران و افغانستان بھی شامل ہین، کوبے میں جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار مختلف دول کے قونصل اور تمام اقوام کے معززین شامل تھے، اتفاق سے توکیو مین وزیر جنگ کی جانب سے ۱۰ر اکتوبر کی شب کو دعوت تھی، اس وجہ سے توکیو کے معززین افتتاحی جلسے مین شریک نہ ہو سکے، البتہ کوبے کے عہدہ دار اور قونصل موجود تھے، ان مین برطانوی اور مصری قونصل، صدر میونسپلٹی کوبے اور دیگر محکمون کے افسران اعلیٰ قابل ذکر ہین، ان میں دو سو ہندوستانی اور روسی مسلمان مرد و عورت موجود تھے، دیگر مہمانون میں تقریباً ڈیڑھ سو ہندوستانی اور باقی جاپانی و یوروپین و امریکن اصحاب شامل تھے، پورا بین الاقوامی جلسہ تھا، اس جلسے کی شرکت کے لئے چین اور منچوکوؤ تک سے مسلمان آئے تھے،

جلسے کے قبل مہمانون کو مسجد دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا، سب نے مسجد دیکھی، اور کوئی ایسا نہ ہوگا جسکی زبان پر کلمۂ تحسین نہ ہو، غیر مسلم ہندوستانیون کو بھی اس بات پر فخر ہے کہ ہندوستانیون نے ایسی بے نظیر عمارت تعمیر کی ہے، مسجد کمیٹی کی جانب سے یہ بھی انتظام تھا کہ مسجد دیکھنے کے بعد مہمانون کو ٹیکسی میں بٹھا کر جلسہ گاہ میں پہنچا دیا جائے، ٹور ہوٹل میں جلسے کا بندوبست کیا گیا تھا، جلسے کا وقت ساڑھے چار بجے مقرر تھا، مگر پہلے ہی سے ہال بھر چکا تھا، ہال کے بیچ میں ایک لمبی میز آراستہ تھی جس کے ایک کونے پر صاحب صدر جلوہ افروز تھے، اور ان کے قریب جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار اور قونصل صاحبان تھے، ہال کے ایک جانب مقررین کے لئے ایک چھوٹا سا ڈائس تھا،

جلسے کی صدارت جناب میان عبد العزیز بیرسٹر سابق صدر مسلم لیگ نے فرمائی، آپ کوئی دو مہینے سے تبلیغی مشن پر جاپان آئے ہوئے ہیں، اور کوبے میں تشریف رکھتے ہیں، جلسے کی ابتدا کلام پاک کی تلاوت سے ہوئی، ایک تاتاری لڑکے نے ڈائس پر کھڑے ہو کر ایک رکوع پڑھا، اس کو ہندوستانی جبہ اور عمامہ پہنایا گیا تھا، گورے رنگ پر سفید صافہ بہت بھلا لگتا تھا، اس کے بعد مسٹر ماسٹر صاحب صدر انتظامیہ بورڈ نے مختصر الفاظ میں مسجد کی تاریخ انگریزی زبان میں بیان کر کے صاحب صدر کا تعارف کرایا، میاں صاحب سر سے پاؤن تک عربی لباس میں ملبوس تھے، آپ کا لباس نہایت مسحور کن تھا، آپ ڈائس پر تشریف لائے تو ہال تالیون سے گونج اٹھا، آپ نے خطبۂ صدارت انگریزی میں پڑھ کر سنایا، جو نہایت عالمانہ تھا، اس مین انھون نے اہل جاپان کے آگے بڑی خوبی سے اسلام پیش کیا تھا، ان کے بعد مسٹر برلاس نے ہندوستانی میں تقریر کی، ہندوستانیون کے چند نمایندہ حضرات کی راے تھی کہ وہ جلسے کی بہترین تقریر تھی، جس مین انھون نے عورت پر اسلام کے احسانات اور مسلم عورت کے چند کارہاے نمایان کا تذکرہ کیا تھا، اور اہل جاپان کو اسلام کی دعوت دی تھی، ان کے بعد مسجد کے پیش امام جناب تمعونی نے ترکی میں تقریر پڑھ کر سنائی،

اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوگیا، جس کے دوران مین بھی تقریرین ہوتی رہین، مقررین میں ساز...
تاتاری اصحاب تھے، جنھون نے ترکی میں تقریریں کیں یا پڑھ کر سنائین، ایک چینی مسلمان نے چینی میں تقر...
اور ایک جاپانی مسلمان نے جاپانی مین مسٹر داس نے انگریزی میں تقریر کی، مہمانون کی جانب سے ایک...
انگریز نے شکریہ ادا کیا، تقریروں کے بعد سکریٹری صاحب نے بیان کیا کہ مختلف مقامات سے ساٹھ...
مبارکباد کے وصول ہوچکے ہیں، جن کو بوجہ قلتِ وقت پڑھ کر نہیں سنایا جاسکتا، آخر میں مسٹر شاکر...
نے خوش الحانی سے قرآن شریف کا ایک رکوع تلاوت کیا اور جلسہ ختم ہوا،

تقریبِ افتتاح کو کامیاب بنانے کے لئے مسجد کمیٹی نے کافی روپیہ خرچ کیا ہے، صرف چلے...
فواکہات پر ایک ہزار ین صرف ہوئے ہیں، یہ تمام صرفہ حق بجانب تھا، کیونکہ اس سے کوبے میں اور اخبا...
کے ذریعہ سے تمام جاپان میں اسلام کا چرچا پھیلا ہے، اوساکہ مائی نچی نے ۱ ار اکتوبر کی اشاعت کا بیشتر...
حصہ حالاتِ مسجد کے لئے وقف کردیا تھا، جلسے میں اخبارات کے فوٹو گرافرون کا ایک غول موجود
تھا، جنھون نے وقتاً فوقتاً فوٹو لئے، اور یہ فوٹو مع حالات جلسہ و مسجد جاپانی اخبارات میں شائع ہوئے...
نمائش مسجد اور تقریبِ افتتاح کے جملہ انتظامات جس حسن و خوبی سے انجام پائے، اس کے لئے اراکین
مسجد کمیٹی ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہین،

خیّام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ، اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث
اور آخر مین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے،
خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰
صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

"مشہد قدس کی سائنٹفک محرابین"

رسالہ آرٹس اسلامیکا (امریکہ) جلد ۲ حصہ اول مین عنوانِ بالا سے ڈوائٹ ایم، ڈونلڈسن (DWIGHT M.DONALDSO...) نے ایک مضمون لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے :-

حضرت امام رضا علیہ السلام کی قبر لوہے کے تین کٹھرون سے گھری ہے، جو یکے بعد دیگرے نصب
ہیں، قبر پر لکڑی کا مطلا تعویذ ہے، جس پر شاہ عباس کا نام کندہ ہے، پہلا کٹھرہ جو قبر کے متصل ہے تانبے کی جالی
کا ہے، یہان وہ تحفے تحائف اور نذرانے جو حرم کے زائرین پیش کرتے ہین، جمع کر دیئے جاتے ہین، نوروز
کے کچھ دن پیشتر حرم کے مجاوران کو نیلام کرکے مقبرہ کے کامون مین صرف کرتے ہین، دوسرا درمیانی
کٹھرا مطلا ہے، اور اس پر شاہ حسین صفوی کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے، تیسرا کٹھرہ بھی مطلا ہے، اور اس پر
باریک اور خوبصورت خط مین سورۂ دہر کی پوری آیتین لکھی ہوئی ہیں، دوسرے اور تیسرے کٹھرون کے گوشون
کے ستون سونے کے ہیں، مقبرہ کی چھت لکڑی کی ہے، جس پر سونے کا تر چڑھایا گیا ہے، اور اس کے نیچے سونے کے
بہت سے خوشنما و خوبصورت جھاڑ لٹکائے گئے ہیں، زائرین قبر کے سرہانے کی جانب سے طواف شروع کرتے
ہیں، پہلے وہان کھڑے ہوکر اپنے امام مظلوم پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پھر شرقی جانب سے ہوکر قدمون کے
پاس آتے ہین، اور پہلے کی طرح دعا کرتے ہیں، مگر اس مرتبہ ان لوگون پر جنھون نے امام کو قتل کیا ہے یا اپنے
ہاتھ اور زبان سے ان کو ایذا پہنچائی ہے، لعنت بھیجتے ہیں، پھر مقبرہ کے پائین کھڑے ہوکر حضرت آدم، نوح، ابراہیم

موسیٰ، عیسیٰ، اور محمد علیہم السلام کے سچے جانشین ہونے کی حیثیت سے ان پر درود و سلام بھیجتے ہین، پھر ر...

پہنچکر امام کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ بناکر شفاعت طلب کرتے ہین،

مقبرہ کے دروازہ کے چوکھٹے پر خط ثلث اور اُبھرے ہوے چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی...

جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ ہمارے امام حسن بن علی بن ابی طالب کے بھائی، امام حسینؓ شہید کربلا کے

لڑکے (مجازاً) امام رضا مظلوم و معصوم و شہید کا مقدس، ذی شان، عظیم المرتبت اور پاک مقبرہ ہے،

حضرت علی امیرالمومنین، مظہر الحق، اور سرور عالم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ و علیٰ

آلہ الطیبین الطاہرین و علیٰ اصحابہ الکرام وسلم کے صحیح خلیفہ ہیں"

اسی جگہ بائین جانب ڈو پیرگراف میں لکھانے اور لکھنے والون کے نام درج ہین، پہلے کا نام علی ...

محمد قاری ہے اور دوسرے کا محمد بن ابو طاہر بن ابوحسن، کتابت کی تاریخ پہلی جمادی الاولیٰ ۶۱۲ھ ہے،

دروازہ کے سامنے ایک کتبہ لگا ہوا ہے، جس مین امام رضا کی تعریف میں ابونواس کے چند اشعار لکھے

ہوئے ہیں، اس کے نیچے عبد العزیز بن آدم بن ابو نصر القمی کا نام لکھا ہے، غالباً یہ کتبہ کے لکھوانے والے کا نام...

مقبرہ کی دیوار پر دروازہ کے کنارے سنہرے اور چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی ہے، جس کا

ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا، اے علی! مین لوگون کی طرف خدا کا آخری رسول

ہون، اور تم ان کے ہادی ہو، اور حسن ان کے امام، اور حسین ان کے رہبر ہیں، اور علی بن حسین

ان کے جامع، اور محمد بن علی ان کے مودب، اور جعفر بن محمد ان کے شاہد، اور موسیٰ بن جعفر

ان کے حاسب، اور علی بن موسیٰ ان کے شفیع، اور محمد بن علی ان کے معین، اور علی بن محمد

ان کے معلم، اور حسن بن علی ان کے داعی، اور آیندہ ہونے والے امام ان کے ساقی ہیں"

اسی جگہ سورۂ حجر کی یہ آیت ان فی ذالک لآیات للمتوسمین کوفی خط مین لکھی ہے،

مقبرہ کے اندر کی دیوارون کے بالائی حصہ پر صاف و شفاف شش جہت پتھرون مین سورۂ فتح

کی ابتدائی پانچ آیتین لکھی ہوئی ہین، نیز قبر کے بائیں طرف کی دیوار پر دروازہ سے لیکر شاہ طہماسپ کے

برآمدہ تک مذکورۂ بالا سورہ کی چوتھی آیت سے لیکر بارھویں آیت تک لکھی ہوئی ہے، دیوار کے زیرین

حصہ مین دروازہ سے لے کر دیوار کے گوشہ تک سورۂ دہر کی ابتدائی انیس [19] آیتین لکھی ہوئی ہین، کتابت کی

تاریخ ذو جمادی الاخری ۷۶۰ھ ہے،

حرم کی دیوارون کے مختلف مقامات پر آیتون، حدیثون، ضرب الامثال اور صوفیہ کے کلام و

اشعار سے گلکاری کی گئی ہے، ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف لوگون نے مختلف اوقات مین

ان کو لکھوایا ہے،

حرم کی ایک دیوار میں جو قبر کے پیچھے کی جانب ہے، دروازہ کے دونون جانب دو محرابین ہین،

یہ آرٹ کا سب سے بہترین نمونہ ہین، ان میں قرآنی آیات اور بیل بوٹون سے گلکاری کی گئی ہے، دونون

محرابون کی شکل تقریباً ایک ہے، مگر عبارتین مختلف ہین، بائین جانب کی محراب میں قرآن پاک کی مختلف

آیتین لکھی گئی ہین، پہلا کالم جو فرش کے قریب سے شروع ہو کر مربع شکل مین ہوتا ہوا پھر فرش تک پہنچتا

ہے، ذیل کی آیتون سے مزین ہے، یہ آیتین کوفی خط کے ابھرے ہوئے چمکدار حروف میں لکھی گئی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: انما ولیکم اللہ و رسولہ . . . . . . الی قولہ

. . . . واتقوا اللہ ان کنتم مومنین، (مائدہ ۔ ۸)

دوسرے کالم مین خط ثلث کے بڑے اور ابھرے ہوے چمکدار حروف میں ذیل کی آیتین لکھی گئی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس . . . . . الی قولہ

. . . . واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا، (بنی اسرائیل ۔ ۹)

اسکے نیچے محراب کی کمان میں آل عمران کی یہ آیت شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو ... (الی قولہ)

...... ان الدین عند اللہ الاسلام لکھی ہے، پھر اس کے نیچے ایک کالم ہے جس میں کوفی

خط کے باریک حروف مین ذیل کی آیتین لکھی ہین،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، قد افلح المومنون ...... (الی قولہ) .....

فاولئک ھم العادون، (مومنون - ۱)

پھر اس کے نیچے ایک اور کالم ہے جسمین باریک اور زرد حروف سے سورہ بقرہ کے خاتمہ کی یہ آیتین لکھی گئی ہین

بسم اللہ الرحمن الرحیم، آمن الرسول بما انزل الیہ ... (الی قولہ)

... فانصرنا علی القوم الکافرین،

دوسری محراب بھی مختلف آیتوں اور عبارتوں سے مزین ہے، اس مین سب سے پہلے سورہ ہود کی

یہ آیت کوفی خط مین لکھی ہوئی ہے،

ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین، واصبر فان اللہ

لا یضیع اجر المحسنین،

اسی کے قریب سورہ بقر کی ایک سو تاسیویں اور ایک سو چالیسوین آیت خط ثلث میں لکھی ہوئی ہے،

محراب کی کمان میں سورہ بقر کی یہ آیت آمن الرسول بما انزل الیہ ..... (الی قولہ) ...

والیک المصیر لکھی گئی ہے، تقریباً اسی جگہ ایک عربی عبارت ہے جو امتداد زمانہ سے بہت کچھ مٹ چکی ہے،

اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے دور ہونے کے باوجود مجھے دیکھنے آئے گا، اور

میری قبر کی زیارت کرے گا، قیامت کے دن مین تین جگہ اس کی مدد کرون گا، (۱) اس وقت

جب کہ نامۂ اعمال سیدھے اور بائین جانب بکھیر دیئے جائین گے، اس کو خوف وہراس سے

نجات دلاؤن گا، (۲) پل صراط پر گذرنے مین اس کی مددگار ہون گا، (۳) نیکی اور بدی کے تولے

جانے کے وقت اس کی سفارش کرونگا"

اسی طرح ایک دوسری جگہ عربی عبارت لکھی ہوئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

"اس قبر کی زیارت کعبہ کے ہزار حج کے مساوی ہے سعید احمد بن محمد نے ابوجعفر سے پوچھا کیا

ہزار حج کے مساوی ہے؟ انھون نے جواب دیا ہان! مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ جو شخص

حضرت امام رضا کو اپنا امام تسلیم کر کے ان کی قبر کی زیارت کریگا وہ ضرور ہزار حج کا ثواب پائیگا"

محراب کے اطراف مین قرآن پاک کی یہ آیت کوفی خط مین لکھی گئی ہے،

"ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

اسی کے قریب ابھرے ہوئے سفید حروف مین آل عمران کی یہ آیت لکھی گئی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما

بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم،

اس کے سامنے خط کوفی میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور اسی جگہ کاتب کا نام ابوزید بن محمد بن

ابوزید النقاش لکھا ہے، محراب کے اندر کی چھوٹی کمان مین حضرت علیؑ کی یہ پیش گوئی کوفی خط میں لکھی ہے، کہ آپ کی نسل سے

ایک شخص خراسان مین قتل کیا جائے گا، نیز باریک حروف مین سورہ توحید لکھی ہوئی ہے، کتابت کی تاریخ ربیع الآخر سنہ ۶۱۲ھ ہے

پھر ایک دوسری جگہ خط ثلث مین چند سطرین لکھی گئی ہین، جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے خدا اس معصوم امام کے طفیل سے اپنے بندوں پر رحم کر جو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، خاصکر ایک مرتبہ

اپنے ضعیف بندے عبد العزیز بن آدم پر اور ان آدمیوں پر رحم کر جو یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے گناہوں

کو دھو دے اور ہم پر اپنی بخشش کر اور رحم وعفو کو عام کر دے"

ان دو محرابون کے علاوہ اور ایک محراب ہے جو حضرت امام کے سرہانے کی دیوار میں ہے، یہ بھی

ایتون اور حدیثون سے مزین ہے، اس میں اینٹوں کے چند صاف و شفاف اور سبز ٹکڑوں پر جو غالباً مرمت کے وقت لگوائے گئے ہیں، مختلف حدیثیں لکھی گئی ہیں، جن میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، انا مدینۃ العلم و علی بابھا، اس کے اخیر میں علی بن محمد بن ابو طاہر کا نام درج ہے، غالباً یہ لکھوانے والے کا نام ہے،

"ی"

مسیحی تبلیغ میں بنیادی تبدیلیاں

اسلامی ممالک میں مسیحی تبلیغ کی ناکامی کا ایک واضح اور دلچسپ اعتراف تبریز کے ایک مشنری کرسٹی ولسن کے قلم سے رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ اکتوبر ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، نیز بحث و مناظرہ میں عیسائی مبلغون کو شکست کے جو تلخ تجربے ہوئے ہیں، ان کی بنا پر مقالہ نگار نے طریق تبلیغ میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنی چاہی ہے، اور اپنے مضمون میں جدید طریق کار کو پیش کیا ہے، ناظرین معارف کے لئے اسکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

دنیائے اسلام میں مسیحی تبلیغ کی جو کوششیں موجودہ زمانہ میں ہو رہی ہیں، ان میں ابتدائً یہ خیال کارفرما نظر آتا ہے کہ مبلغ کو منطقی ثبوت کے زور سے عیسائیت کی سچائی منوا دینی چاہئے، صاف بات تو یہ ہے، کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں یہ طریقہ کامیاب نہیں ہوا، ہمارے پاس اس امر کی تاریخی مثالیں موجود ہیں، کہ عیسائی مبلغون نے بحث و مناظرہ میں تو علمائے اسلام کو شکست دیدی، لیکن اس کا نتیجہ عموماً یہ نہیں ہوا، کہ موخر الذکر نے مسیحیت بھی قبول کرلی، ہم ہنری مارٹن (HENRY MARTIN) کا تصور کرتے ہیں، جس نے تنہا علمائے شیراز کا مقابلہ کیا، یا ڈاکٹر فانڈر (DR FANDER) کی مثال سامنے رکھتے ہیں، جب وہ مجمع عام میں مناظرہ کرتا ہوتا تھا، اور پھر ان اشخاص کی جرأت اور قابلیت پر متحیر رہ جاتے ہیں، لیکن دوسری طرف بیشما مثالیں ایسی بھی ہیں، جہاں عیسائیون نے اتنی قابلیت یا روح القدس کی ویسی رہنمائی کا ثبوت نہیں دیا،

اور عقلی جنگ کے میدان میں شکست کھا گئے،

آج جو شخص کسی مسلمان کو دین عیسوی کا عقیدت مند بنانا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ دلائل سے بچنے میں پوری مہارت رکھتا ہو، یہ چیز جتنی مشکل نظر آتی ہے اس سے زیادہ دشوار ہے، مشرقی ممالک میں بحث و مناظرہ اب بھی ایک عام دلچسپی کا مشغلہ ہے، نہ صرف مذہبی اور علمی جماعت کے لوگ بلکہ عام مسلمان بھی ہر وقت بحث کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، اور بحث کا مرغوب موضوع مذہب رہتا ہے، مسیحی نقطۂ نظر سے بحث سے بہت کم فائدہ کی توقع ہے، اسلام کا مناظر یا تو یہ سمجھیگا کہ مناظرہ اس کے ہاتھ رہا اور اس وجہ سے اس پر اثر ڈالنا اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا، یا وہ اپنی شکست محسوس کر کے چلا جائیگا، اور پھر واپس نہ آئیگا، اور یا اگر واپس آیا بھی تو اس غرض سے کہ بحث کے لئے نئے طریقے کام میں لائے، ان میں سے کسی صورت میں بھی مقصود حاصل نہ ہوگا، ہمارا کام صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ عقلی طور پر دین عیسوی کی سچائی منوالیں، بلکہ اصلی کام حضرت عیسیٰؑ کے لئے دلون کا فتح کرنا ہے، جو کہیں زیادہ مشکل ہے،

اگرچہ ہم حق کی حمایت کر رہے ہون تاہم ہمیں بے تامل اعتراف کرلینا چاہئے کہ بہتیری صورتوں میں مسلمان ہمیں مناظرہ میں شکست دیدینگے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انہیں زبان اور خیالات کے طرز ادا پر زیادہ قدرت حاصل ہوتی ہے، مناظرہ جس طریقہ پر کیا جاتا ہے اس میں بھی انہیں مہارت رہتی ہے، بحث میں موقع موقع سے پیش کرنے کے لئے ملکی لٹریچر کے قصون اور اقتباسات کا جو ذخیرہ ان کے پاس ہوتا ہے، اس کے حاصل کرنے کی ہم توقع بھی نہیں کرسکتے، اگر سامعین مسلمان ہیں تو وہ قدرۃً اپنے ہم مذہب مناظر کا ساتھ دینگے، بہرحال محض شکست کا اندیشہ اس بات کا سبب نہیں ہے کہ ہمیں بحث و مناظرہ سے بچنا چاہئے، جس سبب سے ہم مناظرہ سے بچنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مناظرہ لوگون کو حضرت عیسیٰؑ کا پیرو بنانے میں ناکام ثابت ہوتا ہے،

بعض اوقات بحث سے بچنا ناممکن ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے ساتھ محبت آمیز ہو جس کو ہم اپنا مسیحی بھائی بنانا چاہتے ہیں، ہماری طرف سے بحث میں کبھی تلخی پیدا نہ ہونی

چاہئے، کیونکہ جھلانے اور غصہ کرنے سے نہ صرف ہم رسوا ہون گے، بلکہ اس آقا پر بھی الزام آئے گا جس کے کام میں ہم مصروف ہیں، ہمیں اپنے مخاطبین سے صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہیئے کہ ہم بحث کرنے سے انکا کرتے ہیں، کیونکہ ہمارے خیال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں،

اگر ہم بحث سے بچنے کا عزم کریں تو پھر کس طریقہ پر ہمیں مسلمانوں میں تبلیغ کرنی چاہیئے؟ یہ شروع ہی میں سمجھ لینا چاہیئے، کہ ہم جو کچھ بھی کہیں اس کا جواب دیا جا سکتا ہے، لیکن ایک پاک زندگی کا جو حضرت عیسیٰ کی روح اور محبت سے پر ہو کوئی جواب نہیں ہے، ہمارا کام ایک مقدس کام ہے، مسلمانون کو حضرت عیسیٰ کا پیرو بنانا انسانی قوت سے ہرگز ممکن نہیں ہے، محبت اور فراست کسی دوسرے طریقہ کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے کہ خواہ ہم کچھ بھی کرین یا کہیں قبولِ حق کے لئے صرف خدا ہی دلون کو کھول سکتا ہے،

تبلیغ کے لئے ہمارا بنیادی اصول یہ ہونا چاہیئے کہ براہِ راست حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کو پیش کرین، اسی چیز کو ہمیں اپنے کام کا مرکز اور حاصل بنانا چاہیئے، ان اسلامی ممالک میں ہمارے رہنے کی غایت یہی ہ ممکن ہے کہ ہم سے کہا جائے کہ تم کسی پیالہ کو بھر نہیں سکتے، جب تک پہلے اسے خالی نہ کر لو، لیکن یہ مثال درست نہیں، بلکہ ہمارا حضرت عیسیٰؑ کو پیش کرنا ایسا ہے جیسا روشنی کو سامنے کرنا کہ اس سے تاریکی دور ہو جائے گی،

دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں تبلیغ کرنے کے لئے ہمیں حضرت عیسیٰؑ کے طریقِ تبلیغ کا مطالعہ بہت گہرائی سے کرنا چاہیئے، یہود کی برابر یہ کوشش رہتی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کو عقلی بحث کے چکر میں ڈال دیں، لیکن آپ ہمیشہ ایسا جواب دیتے تھے، جس کی زد براہِ راست قلب اور ضمیر پر پڑتی تھی، یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے جواب سے نہ صرف پیشِ نظر مسئلہ حل ہو جاتا تھا، بلکہ ایک دائمی حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا تھا، ہم تو الوہیت نہیں ہے، اور ہم اس معاملہ میں اپنے آقا کی نقل کرنے کی امید نہیں کر سکتے، البتہ ہم صرف اس حد تک نقل کر سکتے ہیں کہ سوالون کا جواب انجیل کے الفاظ میں دے دیا کریں، رفتہ رفتہ ہم مین قلب و ضمیر تک پہنچنے

کی استعداد بھی پیدا ہو جائے گی،

حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کو مسلمانون کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیسرا بنیادی اصول یہ ہے، کہ بائبل ہمیشہ پیشِ نظر رکھی جائے، ہمین چاہیئے کہ ہر سوال یا بیان کا جواب اسی کو پڑھ کر اور اسی کے الفاظ میں دین، خوش قسمتی سے عیسائیت کے متعلق اکثر سوالات اور اعتراضات تمام دنیائے اسلام میں چند متعین نمونون کے ہوتے ہیں، ایک ہی چیز بار بار سامنے آتی ہے، مہارت سے بائبل کا وہ صفحہ فوراً نکل آیا کرے گا، جس میں اس چیز کا جواب درج ہوگا،

مذکورۂ بالا بنیادی اصولون کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن سے بے کار بحث و مباحثہ کو ترک کر کے اصلی حقیقت کو پیش کرنے کا موقع حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً بعض اوقات سوال کرنے والے سے یہ پوچھ لینا مفید ثابت ہوتا ہے، کہ تم اپنے مذہب سے کیا چاہتے ہو، جب وہ اپنی بڑی سے بڑی خواہشون کا اظہار کرے تو پھر اس وقت ہمیں دکھانا چاہیئے کہ ان میں سے ہر خواہش بدرجۂ کمال حضرت عیسیٰؑ کے توسل سے پوری ہو سکتی ہے، مثلاً اگر لوگ سنجیدہ ہیں، تو وہ یہ کہیں گے کہ ہم اس زندگی مین فلاح اور آئندہ حیاتِ جاودان کی خواہش رکھتے ہین، اس وقت انھیں یہ دکھانے کا بہترین موقع ہوگا، کہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی پیروی سے یہ دونون مقصد حاصل ہو سکیں گے،

بحث و مناظرہ سے بچ کر تبلیغ کرنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مسیحی لٹریچر کی اشاعت بہت کثرت سے کی جائے، اس میں بائبل سب سے زیادہ ضروری ہے، خوش قسمتی سے اسلامی ممالک کی تمام خاص خاص زبانون میں اس کے ترجمے ہو گئے ہیں، مسلمانون سے گفتگو کرنے میں کبھی کبھی ایسے موضوع چھڑ جاتے ہیں، جن پر کسی ایک نشست میں کافی اور شافی گفتگو نہیں ہو سکتی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ بجائے گفتگو کرنے کے ان موضوعون کے متعلق بہترین لٹریچر انھیں مطالعہ کے لئے دے دیا جائے، اس سے حق بھی بہتر طریقہ پر سمجھ مین آ جائیگا، اور ہم بحث سے بھی بچ جائین گے،

"ع ز"

اخبارِ علمیّہ

مامون کے عہد کی ایک علمی تصنیف

مستشرق اے۔ منگانا نے مامون کے زمانہ کی ایک عربی تصنیف کو انگریزی مقدمہ، ترجمہ اور حواشی کے ساتھ ایڈٹ کر کے کیمبرج سے شائع کیا ہے، اس کتاب کا مصنف ایوب الرہادی ہے جو عیسائیون کے نسطوری فرقہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ ۷۶۰ء کے قریب اڈیسہ میں پیدا ہوا تھا، اور تقریباً ۸۳۵ء تک زندہ رہا، اس نے یونانی تراجم کے علاوہ علوم عقلیہ پر بہت سی مستقل کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے صرف دو محفوظ ہیں، پیشِ نظر تصنیف انہی دونون میں سے ایک ہے، جس میں اس نے اپنے عہد کے مختلف علوم و فنون پر قلم اٹھایا ہے، اور الٰہیات، مابعد الطبیعیات، نفسیات، علم التشریح والابدان، علم الادویہ، کیمیا، طبیعیات، علم ہیئت، رمل، موسیقی، حساب وغیرہ پر بڑی قابلیت کے ساتھ مجمل بحث کی ہے، گویا یہ اپنے وقت کی علمی و فلسفیانہ دائرۃ المعارف ہے، اس کتاب کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر عربون میں کس قدر ذہنی انقلاب پیدا ہو گیا تھا، اور کیونکر ہر شخص مختلف علوم و فنون پر کامل مہارت رکھتا تھا، رہاوی نے یہ کتاب ۸۱۷ء کے قریب تالیف کی ہے،

اس مختصر سی تالیف میں بعض قابل ذکر باتیں یہ ہیں کہ اس نے علم رمل کی حقیقت سے قطعی انکار کیا ہے، اور جسمانی دوزخ کے وجود کا بھی منکر ہے، کائناتِ عالم کی پیدائش کا مبدا عناصر کو قرار دیتا ہے، جو آپس میں ملکر ایک ہو گئے، صفر کی تشریح یون کرتا ہے، کہ وہ ایک چھوٹا سا گول دائرہ ہے، جس کے اندر کچھ نہین ہے، اور اس کی شکل خود اس کے صفر (خالی) ہونے پر دال ہے، بعض طبیعی چیزون کی فلسفیانہ تشریح بھی کی ہے، پیشانی اور بالائی رخسارون پر بال نہ ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے، کہ قدرت نے ان پر بال اس لئے نہیں پیدا کئے کہ بالوں کی جڑ میں راستہ کی گرد غبار جم کر انسانون کو تکلیف نہ پہنچائے، اسی طرح جانورون کے ڈھانچون کے انسان کے ڈھانچے کے مانند سیدھا نہ ہونے اور ان کے چار پیرون پر چلنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہی بوجھ اٹھانا ہے، اور یہ مقصد صرف مذکورہ صورت میں حاصل ہو سکتا ہے، دودھ کی نالیون کی تشریح وہی کرتا ہے جو آج کل سمجھی جاتی ہے، اس میں سمندر کے پانی کے نمکین ہونے پر بھی دلچسپ بحث کی ہے،

"م"

ایک سائنٹفک نوآبادی،

ڈاکٹر رابرٹ یرکیز (Dr. Robert Yerkes) پروفیسر سائیکو بیالوجی، ییل یونیورسٹی (امریکہ) نے افریقہ کے شمپانزی بندرون کی ایک نوآبادی چند سال سے فلوریڈا (امریکہ) میں قائم کر رکھی ہے، جو تمام دنیا میں اپنی قسم کی تنہا نوآبادی ہے، یہ نوآبادی حقیقۃً ایک معمل ہے ان بندروں کے مطالعہ کیلئے جنمیں بہ نسبت دوسرے حیوانات کے انسانی خصوصیات بہت زیادہ پائی جاتی ہیں، سائنٹفک مطالعہ کے لیے شمپانزی بندرون کو پالنے کا خیال ڈاکٹر موصوف کو مدت سے تھا، چنانچہ ۱۹۱۶ء میں انھون نے رسالہ "سائنس" میں ایک مضمون لکھ کر ان بندرون کی ایک نوآبادی قائم کرنے کی ضرورت پر زور بھی دیا تھا، اسی خیال کے ماتحت انھون نے ۱۹۲۵ء میں چار شمپانزی بندرون کو پال کر سائنٹفک طریقہ پر ان کا نفسیاتی، غذائی، اور طبعی مطالعہ شروع کر دیا، ڈاکٹر یرکیز کا یہ تجربہ یہانتک کامیاب ہوا کہ چار ہی سال کے بعد ییل یونیورسٹی نے ان کے معمل کو جو پرائیمیٹ لیبورٹری (Primate Laboratory) کے نام سے قائم تھا، اپنے شعبۂ نفسیات سے ملحق کر لیا، اور اس کے لئے ممتاز ماہرین فن کی ایک کمیٹی مقرر کر کے سرمایہ کا مستقل انتظام کر دیا، اب یہان شمپانزی بندرون کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی ہے، ان میں سب سے بڑے بندر کی عمر (۳۵) سال اور سب سے چھوٹے کی چند ہفتے ہے، اس نوآبادی

کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہان بندرون سے بچے بھی لئے جاتے ہیں، تاکہ ہر عمر کے شمپانزی کا ... مطالعہ کر کے تحقیقات مکمل کیجا سکے، اس وقت تک یہان گیارہ بچے پیدا ہو چکے ہیں، اور بجز ایک کے سب زندہ اور سلامت ہیں، ۲۶ رجون ۱۹۳۳ء کو دو بچے جڑوان پیدا ہوئے، یہ واقعہ اس درجہ غیر متوقع اور اہم تھا کہ ڈاکٹر یرکیز نے رسالہ "سائنس" کے ذریعہ اس کی اطلاع تمام سائنٹفک دنیا کو پہنچائی، ان بچون کی ولادت سے ایک نئی تحقیق ہوئی، ان مین سے ایک زیادہ نحیف اور کمزور تھا، مان اسی پر زیادہ شفقت کرتی تھی، یہ بات عام تجربہ کے خلاف تھی، کیونکہ جہان تک معلوم ہے، حیوانات اپنے کمزور بچون پر زیادہ توجہ نہیں کرتے، ڈاکٹر یرکیز کا خیال ہے کہ کمزور بچون پر زیادہ شفقت انسانون اور شمپانزی بندرون میں مشترک معلوم ہوتی ہے، ایک دوسرا تجربہ ان بچون سے یہ ہوا کہ جب وہ کسی چیز کے لئے ضد کرتے ہیں تو انسان کے بچون کی طرح زمین پر گر کر لوٹنا اور چلانا شروع کر دیتے ہیں، اور اسی وقت مانتے ہیں جب مان ان کی ضد پوری کر دیتی ہے، ۱۱ ر اپریل ۱۹۳۵ء کو اس نوآبادی میں ایک ایسی ولادت واقع ہوئی جس نے تمام سائنٹفک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، یعنی ایک ایسا شمپانزی پیدا ہوا جس کی مان خود اس نوآبادی میں پیدا ہوئی تھی،

دس سال کے تجربہ کی بنا پر ڈاکٹر یرکیز کا خیال ہے، کہ شمپانزی بندرون کو انسانون سے بہت قریبی تعلق ہے، ان مین جو بڑے ہیں اُن کی غذا تقریبًا وہی ہے جو انسانون کی ہے، ان کے جذبات بھی انسانی جذبات سے ملتے جلتے معلوم ہوتے ہیں، ان کی بیماریان بھی عمومًا وہی ہین جو انسانون کی ہیں،

خود کشی کا حق،

امریکہ اور انگلستان میں ایک جماعت اس خیال کی پیدا ہو رہی ہے، کہ بعض حالات میں جب کہ زندگی ناقابلِ برداشت ہو جائے، خودکشی نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہو جاتی ہے، چنانچہ حال میں امریکہ کے ایک ڈاکٹر اور ایک ممتاز خاتون نے جو مدت سے سرطان کی مریض تھی، اپنی صحت سے مایوس ہو کر

خود کشی کر لی، خاتون نے اپنے اس فعل کے جواز میں جو خط لکھ چھوڑا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ تھا کہ "جائز خودکشی انسانی حقوق میں پہلا حق ہے"، اس خیال کے لوگون کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، "ڈیلی میل" لندن کا بیان ہے کہ ایک ڈاکٹر نے "ازراہِ ترحّم" پانچ آدمیون کو دواؤن کے ذریعہ ختم کر دیا، اس قرار کے سلسلہ مین اس نے عدالت مین بیان کیا کہ "میرے ضمیر نے مجھے مطلق ملامت نہیں کی، مجھے اب تک وہ واقعات یاد ہین، اور موت سے قبل کے وہ بشاش چہرے میری آنکھون کے سامنے ہین"، ڈاکٹر کے اس اقرار سے اطبار اور علماے اخلاقیات مین ایک ہلچل پیدا ہو گئی ہے، اور خودکشی کے مسئلہ سے متعلق ملک میں دو مخالف جماعتین رونما ہو رہی ہیں، چنانچہ برطانیہ کے ایک نہایت مشہور ڈاکٹر لارڈ موئنہان (Lord Moynihan) ایک سوسائٹی قائم کر کے اس امر کی کوشش کر رہے ہیں کہ لاعلاج امراض کی صورت میں خودکشی جائز قرار دیجائے، ان کا بیان ہے کہ "خودکشی کے حق کی تائید کرنے والے پوری قوم مین زیادہ ہوتے جاتے ہیں"، وہ پارلیمنٹ کے آیندہ سشن مین ایک بل بھی اس مقصد کے لئے پیش کرنے والے ہیں، ان کی سوسائٹی کے ارکان میں جو "مجلس حق خودکشی" (Right to die Society) کے نام سے قائم کی گئی ہے، برطانیہ کے بعض نہایت ممتاز اشخاص بھی شامل ہین، مثلًا پروفیسر جولین ہکسلے (Prof. Julian Huxley) لارڈ لسٹوول (Earl of Listowel) اور لارڈ ڈنمان (Lord Denman) سابق گورنر جنرل، آسٹریلیا، ڈاکٹر انجے (Dr. Inge) سابق ڈین، سینٹ پال، کی راے ہے کہ یہ تجویز "مسیحی اصولون کے مخالف نہیں ہے"۔

روس مین آیندہ سورج گرہن،

سویٹ روس کی سائنس اکاڈیمی نے آیندہ سورج گرہن کے متعلق ایک رپورٹ شائع کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرہن ۱۹ رجون ۱۹۳۶ء کو واقع ہوگا، اور سویٹ روس کے اس خطہ میں جو شمالی قاف سے والگا اور سائبریا ہوتا ہوا مشرقی صوبون تک چلا گیا ہے پورا لگیگا،

"ع ز"

ادبیات

"پانی پت کی چوتھی لڑائی"

ازجناب اسد ملتانی،

(یہ نظم مولانا حالی مرحوم کی صد سالہ گرہ کے مشاعرہ (بمقام پانی پت) میں پڑھی گئی،)

خداوند آفاق نے پانی پت کی — کسی ایسی ساعت میں بنیاد ڈالی
کہ ہوتی رہی اس میں اکثر لڑائی — نہ گذرا کوئی دور جنگوں سے خالی
ہیں مشہور تر تین خونریز جنگیں — ہے اوراقِ تاریخ پر جن کی لالی
ہوئی ان کے بعد ایک چوتھی لڑائی — مگر یہ لڑائی تھی سب سے نرالی
اُدھر قوم کی گمرہی اور شقاوت — اِدھر اک مجاہد کی شانِ جلالی
اُدھر ضعفِ پیری سے بدتر جوانی — اِدھر اک جواں طبع پیرانہ سالی
اُدھر تیرہ بینی و باطل پرستی — اِدھر راست گوئی و روشن خیالی
اُدھر قومِ غافل کی ہر گونہ پستی — اِدھر ایک مصلح کے افکارِ عالی
اُدھر قوم پر خوابِ غفلت کا غلبہ — اِدھر شاعرِ قوم کی زار نالی
اُدھر کان نغمات سننے کے عادی — اِدھر نالہ و آہ سے گوشمالی
اُدھر بے شمار اعتراضاتِ بیجا — اِدھر چند نظمیں تکلّف سے خالی
اُدھر طعن و تشنیع کے تیر و نشتر — اِدھر تلخ کامی میں شیریں مقالی

اُدھر ایک بگڑی ہوئی قومِ نادان — اِدھر محوِ فریاد بیچارہ حالی
اُدھر ڈھال بے اعتنائی کی اٹھی — اِدھر تیغ اس نے قلم کی نکالی
اسد یہ کرشمہ تھا صدق و صفا کا،
کہ اک فرد نے قوم پر فتح پالی،

رُباعیاتِ امجد

ازحکیم الشعراء امجد حیدرآبادی

"تصوّرِ الٰہی"

تجھ تک، مرا وہم بھی نہیں جاسکتا[1] — تجھ کو کوئی ادراک نہیں پاسکتا[2]
اب تیرے تصوّر کی یہی صورت ہے — "اے وہ، کہ تصوّر میں نہیں آسکتا"

"دنیا کا خیالی وجود"

عارض ہو، کہ خط و خال، میرا کب ہے، — نقصان ہو یا کمال، میرا کب ہے،
مانا کہ مرا خیال ہے سب دُنیا — لیکن، مرا خیال، میرا کب ہے؟

ترانۂ عبودیت

ازجناب شیخ عبداللطیف صاحب تپش، پروفیسر ایمرسن گورنمنٹ کالج ملتان،

اخفائے سرِ کُن ہے افشائے راز تیرا — بیگانۂ صدا ہے عالم میں ساز تیرا
صورت گرِ حقیقت تصویرِ ذات تیری — برہم زنِ صفت ہے حسنِ مجاز تیرا

[1] لیس کمثلہ شئی، [2] لا یدرکہ الابصار،

سرشارِ بیخودی کو ہر کیف تیرا حاصل — مستِ مئے خودی کو کیا امتیاز تیرا

گل چاک پیرہن ہیں تو شمع کی لگی ہو — ہر شکل سے نمایاں ہو سوز و ساز تیرا

اظہارِ معرفت میں وا ہو زبان کیونکر — عقدہ بنا ہوا ہے ہر دل میں راز تیرا

کیا شامِ زندگی کا پھر قصہ مختصر ہو — افسانہ کہہ رہی ہے زلفِ دراز تیرا

بزمِ طلب میں تیری نیرنگ سازیاں ہیں — دیکھا تھا ہوش کھو کر موسیٰ نے ناز تیرا

تو جب سے لگ گئی ہے اے شمع سازِ ہستی — دل میں بھرا ہوا ہے سوز و گداز تیرا

تسخیر اک ادا میں ہو سومناتِ دنیا — سو غزنوی بنائے دم میں ایاز تیرا

نازاں ہوئے ہیں تیری بندہ نوازیوں پر — شکر اور کیا ادا ہو اے بے نیاز تیرا

یارب تپش کو اپنے در کا بنا لے بندہ

پامالِ بتکدہ ہے یہ سرفراز تیرا

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جو اب متفرق طور سے دیوان شبلی دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۸ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، ضخامت ۲۴۴ صفحے قیمت عہ

عرب کی موجودہ حکومتیں

اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور نجد و حجاز، عسیر و یمن، اور فلسطین و شام وغیرہ کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں، ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت: ۸؍

منیجر

مطبوعات جدیدہ

علم الحروف، از جناب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر دہلوی، حجم ۲۵۰ صفحے، قیمت: سے

مؤلف سے محلہ فراش خانہ، دہلی کے پتہ سے طلب کریں،

یہ فن تحریر کی ایک دلچسپ سرگذشت ہے، جس میں لائق مصنف نے زبان کی پیدائش اور اس کے مختلف بولیوں میں تقسیم ہونے کے حالات لکھ کر دنیا میں علم تحریر کی ابتدا سے اس وقت تک کی اس کی ترقیوں کی تاریخ لکھی ہے، کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں ابجد کی ابتدا سے خط کوفی و نسخ کے وجود پذیر ہونے تک کے حالات ہیں، اس ضمن میں مختلف سامی و آریائی زبانوں کی ابجدوں کا ذکر آیا ہے، پھر دوسرے حصہ میں ایرانی قلم کا ذکر ہے، جسے خط نستعلیق پر لا کر ختم کیا ہے، اور اس ضمن میں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں نسخ و نستعلیق خطوں کی مقبولیت دکھائی ہے، اس کے بعد ہندوستان میں خطاطی کا رواج دکھا کر اس کے عہد بعہد کی تاریخ بیان کی ہے، کتاب کا یہی حصہ اہم ہے، اس میں ایرانی خطاطوں کے ساتھ ہندوستان میں خطاطی کے مشہور قدیم مرکزوں لاہور، آگرہ، دہلی، اور لکھنؤ کے مشہور خوشنویسوں اور خطاطوں کا اجمالی تذکرہ آگیا ہے، حصہ سوم آلات تحریر کے بیان میں ہے، پھر چوتھے حصہ میں خطاطی کے نمونے اور مختلف زبانوں کی ابجدوں کے نقشے دکھائے گئے ہیں،

کتاب محنت سے لکھی گئی ہے، کتاب کے ماخذ میں زیادہ تر عربی تاریخیں ہیں، اس لئے السنہ کی تحقیق کے متعلق قدیم عرب مورخین ہی کے بیانات پیش کئے گئے ہیں، کہیں کہیں یورپین مورخین کے بیانات بھی درج ہیں، لیکن وہ تشنہ ہیں، ضرورت تھی کہ السنہ و تحریر کے متعلق یورپین بیانوں اور تحقیقوں کو بھی

سامنے رکھا جاتا، اسی طرح کتاب کے مباحث کی ترتیب وتبویب بھی مزید توجہ کی مستحق تھی، بہرحال تحریر اور نشان کے متعلق عرب علماء کے بیانون کا اجمالی خلاصہ کتاب مین آگیا ہے، اور شاید مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فن تحریر وخطاطی کی تاریخ پر اردو ادب میں اچھے معلومات کی حامل کہی جاسکتی ہے خصوصاً خط کوفی، نسخ اور نستعلیق اور ان دورون کے خوشنویسون اور خطاطون کے حالات اچھے خاصے فراہم ہوگئے ہیں،

یادگار وارث، از جناب پروفیسر ضیا محمد صاحب ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور، ناشر جناب محمد نصیر ہمایوں بی اے، منیجر قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور، ۲۰۰ صفحے، قیمت:- عہ

پنجاب کی مقامی کہانیوں میں سے ہیر ورانجھا کا فسانہ شہرت عام رکھتا ہے، اسے نہ صرف مقامی لوگون نے مقامی پنجابی زبان میں نظم کیا، بلکہ مختلف اہل علم نے اسے فارسی مثنوی کا جامہ پہنایا، اور پنجاب سے نکل کر عظیم آباد میں عبرتی عظیم آبادی نے ۱۲۵۲ھ میں سراج المحبت کے نام سے اسے فارسی نثر مین قلمبند کیا ہے،

پنجابی زبان میں اسے مختلف مسلمان اور ہندو اہل علم نے نظم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ ان میں سے سید وارث شاہ کی مثنوی ہیر کو پورے پنجاب میں مقبولیت حاصل ہے، اور پوری مثنوی پنجاب کے دیہی باشندون کے نوک زبان ہے، جناب مؤلف نے اس کتاب میں اسی مثنوی کے مؤلف وارث شاہ کے نامعلوم سوانح مختلف قیاسات وقرائن سے روشنی میں لانے چاہے ہین، اور اس میں ایک حد تک کامیاب ہوئے ہیں، نیز مثنوی پر مفصل بحث کرکے دوسری مثنویون (یعنی "ہیرون") سے اس کا فرق دکھایا ہے، اور نظم کی شاعرانہ خوبیان، اور اس کے اخلاقی واصلاحی تعلیمات پیش کئے ہیں کتاب غور وفکر سے لکھی گئی ہے، اور ایک قابل قدر کوشش ہے، لیکن کتاب پر ادبی حیثیت سے نظر ڈالنے

کی ضرورت تھی، زبان اور طریق ادا کی خامیان باقی رہ گئی ہیں،

جامع العقاقیر (با تصویر) از جناب حکیم محمد عبد المجید صاحب عتیقی، ۴۶۹ صفحے، قیمت عگر

پتہ:- جناب حاجی عبد الکریم عبد المجید تاجران کتب، کامل بک ڈپو، لاہور،

یہ ایک کار آمد طبی تصنیف ہے جس میں لائق مؤلف نے مشہور جڑی بوٹیوں، درختون پودون اور پھلوں کے متعلق طبی معلومات ایک خاص ترتیب سے جمع کئے ہین جس میں ہر پودہ کے نام مختلف زبانون میں وجہ تسمیہ اس کی مختصر سرگذشت، مقام وموسم پیدائش، ماہیت وشناخت، طبیعت مضرت، اصلاح، بدل، مقدار خوراک، افعال وخواص، کیمیاوی افعال، مفرد استعمال، یونانی مرکبات ومجربات، جدید طبی استعمالات، اور ویدک مرکبات وغیرہ بتائے ہیں، اور تقریباً انہی سرخیون کے ماتحت ہر پودہ کے متعلق مفید معلومات فراہم کئے ہیں، اور جس پودہ یا جڑی یا درخت کا بیان ہے، اسکی صاف تصویر آرٹ پیپر پر اسی جگہ دے دی ہے، پھر کتاب کے استعمال کے لئے مختلف قسم کی فہرستین تیار کی ہیں، جن سے یہ کتاب زیادہ کار آمد ہوگئی ہے، یہ مجموعہ نہ صرف طب کے طلبہ اور اطباء کے لئے سود مند ہے، بلکہ ہندوستان کے دیہی مقامات پر گھروں میں بھی رکھے جانے کے لائق ہے، کہ اسکے ذریعہ مفرد دواؤں سے بھی جن کے درخت دیہاتوں مین عموماً پائے جاتے ہین، معمولی بیماریون میں علاج معالجہ کیا جاسکتا ہے،

ترکانِ احرار، از جناب محمد عبد المجید صاحب عتیقی، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت عہر، پتہ:- کامل بکڈپو، لاہور،

یہ ایک مقبول کتاب ہے جس کا ساتوان اڈیشن چند سال کے اندر شائع ہوا ہے، اس میں ترکوں کے مشہور محب وطن رہبروں کے سوانح حیات اختصار سے لکھے گئے ہین، پوری کتاب ترکون کی داستان حریت سے لبریز ہے، جس کے مطالعہ سے جدید ترکی کے اہم کارنامے روشنی میں آتے ہیں،

اس ساتویں اڈیشن پر مولانا ظفر علی خاں نے پرزور مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں ترکوں کے خلاف پھیلائے
ہوئے موجودہ پروپگنڈے سے پیداشدہ غلط فہمی کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب
کے آخر میں احرار مصر کا عنوان بھی بڑھایا گیا ہے، جس میں مصر کے صرف دو قائدین سعد زاغلول
اور عزیز بے علی مصری کے حالات ہیں، اولاً یہ حصہ کتاب کے عنوان سے علحدہ ہے، علاوہ ازیں اگر
احرار مصر کے حالات بھی درج کرنے تھے، تو یہاں کے چند دیگر مشاہیر کے سوانح دینے چاہئے تھے،

غازی مصطفیٰ کمال پاشا، از جناب سید اشفاق حسین صاحب ایم اے، حجم ۱۳۲
صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :- مجلد عہ، پتہ :- جناب سید عبد الحمید بخاری
منیجر شیران اسلام بک ڈپو، منگلور ٹاؤن، سہارنپور،

یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے سوانح ہیں، جو دلچسپ انداز میں جوش و ولولہ کے ساتھ طلبہ کے لئے
لکھے گئے ہین، اس ضمن میں ٹرکی کے پچھلے دور کی تاریخ بھی آگئی ہے، کتاب فتح سمرنا کے بعد التوائے جنگ
کے بیان پر ختم ہوجاتی ہے، ضرورت تھی کہ سلسلۂ بیان کے لحاظ سے لوزان کانفرنس کے مختصر حالات
اور اس میں مجلس عالی ترکی کے نمایندہ کے کارناموں کو بھی بیان کیا جاتا، آخر مین جمہوریۂ ترکیہ کے
تعلیمی اور رفاہ عام کے خدمات اختصار کے ساتھ درج کئے گئے ہیں،

محمود اور فردوسی، از جناب قاضی عبد الصمد صاحب سیوہاروی، حجم ۱۱۵ صفحے، تقطیع
چھوٹی، قیمت ۸ر، پتہ :- جناب قاضی ظہور الحسن صاحب، بہ مکان مولوی فیض الدین وکیل
محلہ عابد شاپ، حیدرآباد دکن،

جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی نے "محمود اور فردوسی" نام کے رسالہ میں فردوسی
سے محمود کے شاہنامہ پر وعدۂ انعام و وعدہ خلافی اور پھر فردوسی کے ہجو لکھنے کی مشہور عام روایت
کی دلائل سے تردید کی تھی، اس رسالہ کا تبصرہ ان صفحات میں شائع ہوچکا ہے، اب اسی رسالہ کے

دوسرے اڈیشن میں مؤلف کے صاحبزادے جناب قاضی عبد الصمد صاحب نے اس بحث کو مزید دلائل
سے مستحکم کرکے مرتب کیا ہے، اور فردوسی کے سوانح کے ابواب بڑھائے ہیں،

نیم شب، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم اے، پروفیسر سینٹ اسٹیفنس کالج
دہلی، ناشر مکتبہ جامعہ، دہلی، حجم ۷۶ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت : ۸ر

جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی کو مختصر ڈرامہ نویسی کا خاصہ ذوق ہے، اس سے پہلے
ان کے متعدد ڈراموں کا تذکرہ ان صفحات میں کیا جاچکا ہے، یہ ڈرامہ ایک نئے عنوان پر ہے،
اس میں ہندوستان کو ۱۹۸۵ء میں دکھایا گیا ہے، جب کہ وہ تحریک اشتراکیت کے ہولناک انقلاب
سے دوچار ہے، کسی ملک میں انقلاب کے جو اثرات طاری ہوتے ہیں، فسانہ میں ان کے دونوں
پہلوؤں کو دکھایا ہے، مصنف کا مقصد اس کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ جو نتائج جن اسباب سے
پیش آسکتے ہیں، ان کے ضرر رساں پہلوؤں کے پیدا کرنیوالے اسباب پہلے ہی دور کئے جاسکتے ہیں،
اس لئے ہندوستان کے مفکرین کے لئے ابھی اتنا وقت موجود ہے کہ وہ غور و فکر سے ایسا ماحول
پیدا کریں کہ سرے سے نہ اقتصادی انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہو، اور نہ اس کے نتائج بد پیش آئیں،

انجام، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) ناشر مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۱۴ صفحے،
تقطیع چھوٹی، چھپائی ٹائپ مین، قیمت : ۱۲ر

یہ ایک معاشرتی ڈراما ہے، جو مسلمانوں کی توہم پرستیوں کی اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے،
اس ڈرامے کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس سے پہلے اس کا تبصرہ ان صفحات میں کیا جاچکا ہے،

حلقۂ مسموم } **خاندانی آسیب** } از جناب محمد نصیر احمد عثمانی تیوتنوی ایم اے، پروفیسر جامعہ عثمانیہ
حجم بہ ترتیب، ۲۱۰ صفحات و قیمت ۱۲ روپیہ، پتہ :- جناب
محمد سلیمان خان، ۹۱۷ کلب روڈ، چادر گھاٹ، حیدرآباد دکن،

یہ دونون سرآرتھر کانن ڈائل کے سراغ رسانی کے مشہور سلسلۂ افسانہ "شرلک ہومز" کے

ناولون کے صاف، سلیس اور روان ترجمے ہیں، ان ناولون کے ترجمے پنجاب کے کسی ادارۂ اشاعت

کی طرف سے اس سے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں؛

کلام ٹیگور، (حصہ اوّل) مترجمہ جناب ایم ضیاء الدین صاحب پروفیسر شانتی نکیتان

بنگال، ناشر وشوا بھارتی شانتی نکیتان بنگال، حجم ۱۲۰ صفحے، چھپائی ٹائپ میں، قیمت عہ/

ہندوستانی زبان کے ادبی رسالون میں ٹیگور کے کلام کے ترجمے "ادب لطیف" کے ذیل

میں عموماً نوجوان و نومشق ادیبوں کے قلم کی مشق کے طور پر آئے دن چھپتے رہتے ہیں، خوشی ہو

کہ اب جناب ایم ضیاء الدین نے جنھین شانتی نکیتان کے تعلق سے ٹیگور کی معیت میں رہنے کا

حاصل ہے، اس کا سنجیدہ اور مستند ترجمہ ہندوستانی زبان میں پیش کیا ہے، اور شانتی نکیتان کی

علمی مجلس نے اسے شائع کیا ہے، ترجمہ براہ راست بنگالی زبان سے کیا گیا ہے، اس کے پہلے حصے

میں کل ۱۲۰ نظمیں ہیں، جو اکثر شانتی نکیتان میں گائی جاتی ہیں، ترجمہ میں ثقاہت، سادگی اور

برجستگی پائی جاتی ہے، اگر ہر نظم کا عنوان بھی قائم کر دیا جاتا تو مناسب ہوتا، مترجم نے دیباچہ میں

ٹیگور کے سوانح اور کلام پر نظر ڈالی ہے، جس میں ٹیگور خاندان کے اسلامی تہذیب و معاشرت

سے مانوس ہونے کو خاص طور پر دکھایا ہے، نیز ٹیگور کے کلام پر نقد کرتے ہوئے ان کی ان اصلاحون

کو پیش کیا ہے، جو انھون نے بنگالی زبان کی شاعری اور قواعد عروض و موسیقی میں کی ہیں،

امید ہے کہ یہ مجموعہ ملک کے ادیبوں اور شاعرون میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

قوم کی فریاد، از جناب نظامی بدایونی، نظامی پریس، بدایوں، قیمت ۲ر

یہ مولانا حالی مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی تضمین ہے، جو ان کی صد سالہ برسی کی تقریب کے موقع

پڑھی گئی، اور اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کی گئی ہے،

"ر"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اوّل، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۵ صفحے، قیمت للعہ (از مولنٰنا عبد السلام ندوی،)

حصہ دوم جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت:- صہ از مولنٰنا سید عبد الحی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنٰنا شبلی مرحوم کے دوستون، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنٰنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اوّل، ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- عہ/ ۱۲ر

حصہ دوم، " ۲۸۱ " " عہ/ ۱۲ر

موازنۂ انیس و دبیر (از مولنٰنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت: عہ

کلیات شبلی اردو، مولنٰنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے بیس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مرحوم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: عہ حجم ۴۵۰ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلاویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنٰنا سید ریاست علی ندوی)